ماہنامہ **السنة** جہلم

شمارہ نمبر 8 جمادیٰ ثانیہ 1430ھ، مئی 2009ء

# کوئی صحیح حدیث قرآن کے مخالف نہیں (۳)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

حدیث دین ہے، جیسا کہ امام محمد بن سیرین تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

**هذا الحديث دين ، فانظروا عمّن تأخذون دينكم .**

''یہ حدیث دین ہے، لہٰذا دیکھو کہ تم اپنا دین کس سے لے رہے ہو۔''

(الشمائل للترمذی : ٤١٧، وسندہٗ صحیح)

حدیث بیانِ قرآن ہے، کوئی صحیح حدیث قرآن کے مخالف نہیں، کیونکہ یہ دونوں اللہ کی طرف سے ہیں، اس لیے ان میں تعارض نہیں، فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾ (النساء : ٨٢)

''کیا وہ قرآن کریم پر غور نہیں کرتے اور اگر یہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بڑا اختلاف دیکھتے۔''

مشہور سنّی مفسر امام ابنِ جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

**انّ الّذی أتیتهم به من التّنزیل من عند ربّهم لاتّساق معانیه وائتلاف أحکامه وتأیید بعضه بعضا بالتّصدیق وشهادة بعضه لبعض بالتّحقیق ، فانّ ذالک لو کان من عند غیر اللّٰه لاختلفت أحکامه وتناقضت معانیه وأبان بعضه عن فساد بعض .**

''یقیناً وہ وحی جو آپ ان کے پاس ان کے رب کے پاس سے لائے ہیں تاکہ اس کے معانی کو بیان کریں، اس کے احکام کو جوڑیں، بعض آیات بعض کی تصدیق کریں اور بعض بعض کے حق ہونے کی گواہی دیں، اگر یہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتی تو اس کے احکام مختلف ہو جاتے، اس کے معانی متناقض ہو جاتے اور ایک دوسرے کی خرابی واضح کرتے۔'' (تفسیر طبری : ٥/ ١٧٩)

قرآنِ مجید میں حقیقی اختلاف وتعارض اس لیے نہیں ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے، اس بات کی تصدیقِ جازم حدیث ان الفاظ سے کرتی ہے، سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص کہتے ہیں:

**لقد جلست أنا وأخی مجلسا ، ما أحبّ أنّ لی به حمر النّعم ، أقبلت أنا وأخی ، واذا**

مشيخة من صحابة رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم جلوس عند باب من أبوابه ، فكرهنا أن نفرّق بينهم ، فجلسنا حجرة ، اذ ذكروا آية من القرآن ، فتماروا فيها ، حتى ارتفعت أصواتهم ، فخرج رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم مغضبا ، قد احمرّ وجهه ، يرميهم بالتّراب ، ويقول : مهلا يا قوم ! بهذا أهلكت الأمم من قبلكم باختلافهم على أنبيائهم وضربهم الكتب بعضها ببعض ، انّ القرآن لم ينزل يكذّب بعضها بعضا ، فما عرفتم منه فاعملوا به ، وما جهلتم منه فردّوه الى عالمه .

''میں اور میرا بھائی ایک مجلس میں بیٹھے، میرے لیے اگر اس کے بدلے میں سرخ اونٹ بھی ہوں تو میں پسند نہ کروں، میں اور میرا بھائی آئے تو اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کئی ایک مشائخ مسجد کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے، ہم نے ان کے درمیان فاصلہ کرنا مناسب نہ سمجھا، ہم ایک حجرہ میں بیٹھ گئے، انہوں نے قرآنِ کریم کی ایک آیت پڑھی، پھر اس کے بارے میں اختلاف کرنے لگے یہاں تک کہ ان کی آوازیں بلند ہوگئیں، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے، آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو چکا تھا، آپ ان پر مٹی پھینک رہے تھے اور فرما رہے تھے، اے قوم! تم سے پہلی امتیں اپنے انبیاء پر اختلاف کرنے اور اپنی کتابوں کے بعض حصے کو بعض کے ساتھ ٹکرانے کی وجہ سے ہی تو ہلاک ہوئی تھیں، قرآن اس طرح نازل نہیں ہوا کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو جھٹلائے، بلکہ اس کا بعض حصہ دوسرے حصہ کی تصدیق کرتا ہے، تم اس میں سے جو سمجھ لو اس پر عمل کرو اور جس کو نہ سمجھ پاؤ اس کو اس کے جاننے والے کی طرف لوٹا دو'' (مسند الامام احمد : ۲ /۱۸۱، ح : ۶۷۰۲، وسندهٔ صحیح ، صحیح مسلم : ۲۶۶۶مختصراً)

ایک روایت میں ہے:

فقال بعضهم : ألم يقل اللّٰه كذا وكذا ؟ وقال بعضهم : ألم يقل اللّٰه كذا وكذا ؟ ....

''ان صحابہ میں سے کچھ نے کہا، کیا اللہ تعالیٰ نے ایسے ایسے نہیں فرمایا؟ اور دوسروں نے کہا، کیا اللہ تعالیٰ نے ایسے ایسے نہیں فرمایا؟ ــــــ'' (مسند الامام احمد : ۲ /۱۹۶)

جب حدیث قرآنِ مجید کی تصدیق کرتی ہے اور اس کے تعارض کی نفی کرتی ہے تو خود اس کے معارض و مخالف کیسے ہوسکتی ہے؟ بلکہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حدیث حق ہے، حق ہمیشہ حق کی تصدیق کرتا ہے، حق کبھی حق کے مخالف و معارض نہیں ہوسکتا، اس پر سہاگہ یہ کہ قرآن نے حدیث کی حقانیت و حجیت کی نفی نہیں کی،

نہ ہی حدیث کے وحی ہونے یا منزل من اللہ ہونے کی نفی کی ہے، حدیث نے قرآنِ مجید کو وحی تسلیم کیا ہے، نیز یہ بھی بتایا ہے کہ اگر قرآنِ کریم کے مفہوم میں کوئی اشکال و اشتباہ واقع ہو تو قرآن کے عالم سے پوچھ لو، علمائے حق تو قرآن و حدیث کے بارے میں یہ کہتے ہیں: ﴿اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا﴾(آل عمران : ۷)

''ہم اس پر ایمان لائے، سب کچھ ہمارے رب کی طرف سے ہے۔''

علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

**فهذا الحديث ونحوه ممّا ينهى فيه عن معارضة حقّ بحقّ ، فانّ ذالک يقتضى التّكذيب بأحد الحقّين أو الاشتباه والحيرة ، والواجب التّصديق بهذا الحقّ ، وهذا الحقّ فعلى الانسان أن يصدّق بالحقّ الأذى يقوله غيره ، كما يصدّق بالحقّ الّذى يقوله هو ، ليس له أن يومن بمعنى آية استدلّ بها ، ويردّ معنى آية استدلّ بها مناظره ، ولا أن يقبل الحقّ من طائفة ، ويردّه من طائفة أخرىٰ .**

''یہ اور اس طرح کی دوسری احادیث حق کو حق کے ساتھ معارض قرار دینے سے منع کرتی ہیں، کیونکہ یہ معارضہ دو حقوں میں سے ایک حق کی تکذیب کا یا اشتباہ کا یا پریشانی کا تقاضا کرتا ہے، حالانکہ اس حق کی تصدیق واجب ہے، لہٰذا انسان پر لازم ہے کہ وہ دوسرے کے کہے گئے حق کی بھی اسی طرح تصدیق کرے جس طرح کہ اپنے کہے گئے حق کی تصدیق کرتا ہے، اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ جس آیت کے معنیٰ سے خود استدلال کرے اس کی تو تصدیق کرے، جبکہ اس آیت کے معنیٰ کو رد کر دے جس سے اس کا مقابل استدلال کرے، نہ ہی یہ جائز ہے کہ ایک گروہ سے حق کو قبول کرے اور دوسرے گروہ کی طرف سے آنے والے حق کو رد کر دے۔''(درء تعارض العقل والنقل : ٤٠٤/٨)

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

**....وأن يعلم أنّ أحكام اللّه ، ثمّ أحكام رسوله لا تختلف ، وأنّها تجرى على مثال واحد .**

''یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام میں اختلاف نہیں ہوتا، بلکہ وہ ایک ہی انداز میں ہوتے ہیں۔''(الرسالة للشافعي : ۱۷۳)

علامہ ابنِ حزم رحمہ اللہ اس مسئلہ میں قرآنی دلائل ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

**وصحّ بما ذكرنا بطلان قول من ضرب القرآن بعضه ببعض ، أو ضرب الحديث الصّحيح**

**بعضه ببعض ، أو ضرب القرآن والحديث بعضها ببعض .**

''ہم نے جو دلائل ذکر کیے ہیں، ان سے ثابت ہو گیا ہے کہ جو شخص قرآن کی آیات کا آپس میں، یا صحیح احادیث کا آپس میں یا قرآنِ کریم اور حدیث کا آپس میں تعارض پیدا کرتا ہے، اس کا قول باطل ہے۔''

(الاحکام: ۱ /۱۱۲)

حافظ ابنِ قیّم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

**وأصول الشّرع لا يضرب بعضها ببعض ، كما نفىٰ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم عن أن يضرب كتاب اللّٰه بعضه ببعض ، بل يجب اثباتها كلّها ، ويقرّ كل منها على أصله وموضعه ، فانّها كلّها من عند اللّٰه الذى أتقن شرعه وخلقه ، وما عدا هذا فهو الخطأ الصّريح .**

''شریعت کے اصولوں کو ایک دوسرے سے متعارض قرار نہیں دینا چاہیے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو قرآن سے متعارض قرار دینے سے منع فرمایا ہے، بلکہ سب کا اثبات واجب ہے، ہر ایک اپنی جگہ ثابت ہے، کیونکہ سب کچھ اس اللہ کی طرف سے ہے، جس نے اپنی شریعت وتخلیق بہت پختہ کی ہوئی ہے، اس کے علاوہ جو بھی (نظریہ) ہے، وہ واضح غلطی ہے۔'' (اعلام الموقعین: ۳۸/۲)

قرآن کو حجت ماننا اور حدیث کو نہ ماننا اللہ و رسول کے درمیان تفریق ہے، بعض پر ایمان اور بعض کے ساتھ کفر کا مصداق ہے، ایمان کے تقاضوں کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ﴾ (النساء: ۱۵۲)

''اور وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے، اور ان کے درمیان تفریق نہیں ڈالی۔''

الشیخ عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **وهـذا يـقتـضى الايمان بكلّ ما أخبر اللّٰه به عن نفسه و بكلّ ما جاء ت به الرّسل من الأخبار والأحكام .**

''یہ فرمانِ باری تعالیٰ تقاضا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی خبر خود اپنے بارے میں دی ہے اور جو اخبار و احکام رسول لے کر آئے ہیں، ان سب پر ایمان لایا جائے۔''

(تیسیر الکریم الرحمن فی تفسیر کلام المنان: ۲۱۰/۲، بتحقیق محمد زهری النجار)

فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ☆﴾ (النحل: ٤٤) ''اور ہم نے یہ ذکر (قرآن) آپ کی طرف اس لیے نازل کیا ہے تا کہ آپ ان کی طرف نازل کی گئی وحی کی وضاحت کریں اور تا کہ وہ غور و فکر کریں۔''

امام شافعی فرماتے ہیں: **انّ اللّٰہ عزّوجلّ وضع نبیّہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم فی کتابہ ودینہ بالموضع الّذی أبان فی کتابہ ، فالفرض علی خلقہ أن یکونوا عالمین بأنّہ لا یقول فیما أنزل علیہ الّا بما أنزل علیہ ، وانّہ لا یخالف کتاب اللّٰہ ، وأنّہ بیّن عن اللّٰہ عزّوعلا معنیٰ ما اراد اللّٰہ.**

''اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب اور اپنے دین میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ مرتبہ دیا ہے جو خود قرآن میں بیان کر دیا ہے، لہٰذا مخلوق پر یہ جان لینا فرض ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نازل شدہ وحی (قرآن) کے بارے میں نازل شدہ وحی (حدیث) سے ہی بولتے ہیں، نیز آپ کتاب اللہ کی مخالفت نہیں فرماتے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مراد کو واضح کرتے ہیں۔'' (جماع العلم: ص ١١٨)

معلوم ہوا کہ کوئی صحیح حدیث قرآن کے مخالف نہیں، کیونکہ قرآن کی تفسیر وتبیین اور تشریح وتوضیح نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ ہے، حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی مراد ہے، نیز رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان قرآن کا بیان ہے۔

ہم پہلے بھی کئی بار عرض کر چکے ہیں کہ قرآن وحدیث میں ظاہری تعارض ومخالفت موجود ہے، حقیقت میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ حقیقت میں تعارض، تناقض ہوتا ہے، اس سے دو باتوں میں سے ایک کا جھوٹا ہونا لازم آتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حق میں جھوٹ ناممکن ہے، جو لوگ صحیح حدیث کو حقیقت میں قرآن کے مخالف ومعارض سمجھتے ہیں، ان سے پوچھا جائے کہ وہ حدیث کو کیا حیثیت دیتے ہیں؟ اگر وہ حدیث کو حق کہیں تو سوال یہ ہوگا کہ حق حق کے ساتھ حقیقت میں متعارض ہو سکتا ہے؟ نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ صحیح حدیث کو حقیقت میں قرآن کے مخالف تسلیم کر کے درحقیقت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کر رہے ہیں۔

علامہ شاطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

**أدلّۃ الشّرع لا تتعارض فی نفس الأمر ، ولذلک لا تجد البتّۃ دلیلین أجمع المسلمون عن تعارضھما ، بحیث وجب علیھم الوقوف ، لکن قد یقع التّعارض فی فھم النّاظرین .**

''شریعت کے دلائل حقیقت میں باہم متعارض نہیں ہوتے، اسی لیے آپ کوئی ایسی دو دلیلیں نہیں پائیں گے جن کے متعارض ہونے پر مسلمانوں کا اس طرح اجماع ہو گیا ہو کہ ان پر توقف واجب ہو جائے، البتہ بسا اوقات دیکھنے والوں کے فہم میں تعارض واقع ہو جاتا ہے۔'' (الموافقات للشاطبی: ٤/٢٩٤)

☆☆............☆☆............☆☆

# ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوتا

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

دینِ اسلام نے اصول واحکام اور تہذیب ومعاشرت کے بارے میں واضح رہنمائی فرمائی ہے، باپ بیٹی جیسے مقدس رشتے کے حقوق سے بھی شناسا کیا، بیٹی عزت ہوتی ہے، جب وہ اپنے باپ کی اجازت کے بغیر شادی رچا لیتی ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ فلاں کی عزت فرار ہوگئی ہے، ایسا باپ شرم سے زمین میں گڑ جاتا ہے، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنی دہلیز سے باہر قدم رکھنا اپنے لیے باعثِ ذلت ورسوائی سمجھتا ہے۔

اسلام بھلا اپنے ماننے والوں کی ذلت کب برداشت کرسکتا ہے؟ اسی لیے اس نے ایسی عورت کی نکاح کو کالعدم قرار دیا جو ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر لے، لیکن افسوس کہ اسلام کا نام لے کر اسلام کو رسوا کرنے والوں نے جہاں اور بہت سے اوچھے ہتھکنڈے اپنائے، وہاں ایک کوشش یہ بھی کی کہ کسی طریقے سے ولی کی اجازت کو نکاح سے نکال باہر کیا جائے تاکہ بے حیائی آسانی سے اسلامی معاشرے میں سرایت کر جائے، مگر ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی اس وعید سے ڈرنا چاہیے:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾(النور : ١٩) ''بلاشبہ جو لوگ ایمان والوں میں فحاشی پھیلا نا پسند کرتے ہیں، ان کے لیے دنیا وآخرت میں دردناک عذاب ہے۔''

آیئے نکاح میں ولی کی اجازت شرط ہونے کے بارے میں اسلامی تعلیمات اور اس کے خلاف دی جانے والی دلیلوں کا منصفانہ جائزہ لیتے ہیں:

**دلیل نمبر ۱** : فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ﴾(البقرة : ٢٣٢) ''اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو، پھر وہ اپنی مقررہ عدت کو پہنچ جائیں تو ان کو اپنے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو۔''

یہ آیتِ کریمہ اس بات پر دلیل ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح درست نہیں، اس آیت میں اولیاء کو خطاب ہے، اس سے عورت کے نکاح میں ان کا اختیار اور حق ثابت ہوتا ہے۔

مشہور سنّی مفسر امام ابوجعفر ابنِ جریر طبری رحمہ اللہ (م۳۱۰ھ) اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

''اس آیتِ کریمہ میں واضح دلالت ہے کہ ان لوگوں کی بات صحیح ہے جو کہتے ہیں کہ عصبہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوتا، کیونکہ اگر عورت نکاح کرنا چاہے تو اس کو روکنے سے اللہ تعالیٰ نے ولی کو منع فرما دیا ہے، اگر عورت بغیر ولی کے خود اپنا نکاح کر سکتی ہوتی یا جسے چاہے اپنا ولی بنا سکتی ہوتی تو اس کے ولی کو نکاح کے سلسلے میں اسے روکنے کی ممانعت کا کوئی معنیٰ مفہوم نہیں، کیونکہ اس صورت میں ولی کے پاس عورت کو روکنے کا کوئی راستہ ہی نہیں، اس لیے کہ وہ جب چاہتی خود اپنا نکاح کر لیتی یا جسے وہ خود اپنا ولی بناتی وہ اس کا نکاح کر دیتا (اصلی ولی کو منع کرنے کا کوئی مطلب ہی نہ ہوتا)۔'' (تفسیر طبری: ۲/ ۴۸۸)

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ (م۷۷۴ھ) لکھتے ہیں: **وفيها دلالة على أنّ المرأة لا تملك أن تزوّج نفسها ، وأنأه لا بدّ في النّكاح من ولي ، كما قال التّرمذي وابن جرير عند هذه الآية .**

''اس آیت میں دلیل ہے کہ عورت خود اپنا نکاح نہیں کر سکتی، بلکہ نکاح کے لیے ولی کا ہونا ضروری ہے، یہی بات امام ترمذی اور امام ابنِ جریر رحمہما اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہی ہے۔''

(تفسير ابن كثير ۱/ ٥٦٤ـ٥٦٥، بتحقيق عبدالرزاق المهدى)

اس آیتِ کریمہ کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے، سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

**كانت لي أخت تخطب اليّ ، فأتاني ابن عمّ لي ، فأنكحتها ايّاه ، ثمّ طلّقها طلاقا له رجعة ، ثمّ تركها حتى انقضت عدّتها ، فلمّا خطبت اليّ ، أتاني يخطب ، فقلت ، لا واللّه ! لا أنكحها أبدا، قال : ففي نزلت هذه الآية : ﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ ﴾الآية ، قال : فكفّرت عن يميني ، فأنكحتها ايّاه .**

''میری طرف میری ایک بہن سے نکاح کے لیے پیغام آئے، میرا ایک چچا زاد بھی آیا، میں نے اس سے اپنی بہن کا نکاح کر دیا، پھر اس نے اسے رجعی طلاق دے دی، پھر اس کو چھوڑ دیا حتی کہ اس کی عدت پوری ہوگئی، جب میری طرف (دوسرے لوگوں کی طرف سے) نکاح کے پیغام آنے لگے تو وہ بھی نکاح کا پیغام لے کر آ گیا، میں نے کہا، نہیں، اللہ کی قسم! میں کبھی اپنی بہن کا نکاح تجھ سے نہیں کرے گا، میرے بارے میں ہی یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ﴾ الآية ()، پھر میں نے اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا اور اسی سے اپنی بہن کا نکاح کر دیا۔''

(صحيح بخارى: ۱/ ۷۷۰، ح: ۵۱۳۰، سنن ابى داوُد: ۳۰۸۷، واللفظ له، سنن الترمذى: ۲۹۸۱)

امام ترمذی رحمہ اللہ (۲۰۰۔۲۷۹ھ) اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

**وفی هذا الحدیث دلالة علی أنّه لا یجوز النّکاح بغیر ولی ، لأنّ أخت معقل بن یسار کانت ثیّبا ، فلو کان الأمر الیها دون ولیّها لزوّجت نفسها ولم تحتج الی ولیّها معقل بن یسار ، وانّما خاطب اللّٰه فی هذه الآیة الأولیاء ، فقال : ﴿فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ یَّنْکِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ﴾ ففی هذه الآیة دلالة علی أنّ الأمر الی الأولیاء فی التّزویج مع رضاهن .**

''اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ بغیر ولی کے نکاح جائز نہیں، کیونکہ سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی بہن ثیبہ (طلاق یافتہ) تھی، اگر معاملۂ نکاح اسی کے ہاتھ میں ہوتا تو وہ خود اپنا نکاح کر لیتی اور اپنے ولی سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی محتاج نہ ہوتی، اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ولیوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ یَّنْکِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ﴾ (ان کو اپنے سابقہ خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو)، لہٰذا اس آیت سے معلوم ہوا کہ معاملۂ نکاح ولیوں کے ہاتھ میں ہے، ہاں عورتوں کی رضامندی ضروری ہے۔'' (سنن ترمذی، تحت حدیث: ۲۹۸۱)

علامہ شوکانی رحمہ اللہ (۱۱۷۳۔۱۲۵۰ھ) اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

''یہ حدیث دلیل ہے کہ نکاح میں ولی کا ہونا شرط ہے، اگر یہ شرط نہ ہوتی تو مرد کی عورت میں اور عورت کی مرد میں دلچسپی کافی ہو جاتی، اسی حدیث کے ذریعے اس قیاس کا بھی رد ہو جاتا ہے جس قیاس کے ذریعے امام ابوحنیفہ نے ولی کی اجازت کی شرط کے نہ ہونے پر حجت لی ہے، انہوں نے نکاح کو بیع (خرید و فروخت) پر قیاس کیا ہے، اس طرح کہ اس معاملے میں عورت اس معاملے میں خود مختار ہے، ولی کی ضرورت نہیں اور یہی معاملہ نکاح کا ہے، انہوں نے ولی کی اجازت نکاح کے لیے شرط ہونے پر دلالت کرنے والی احادیث کو چھوٹی بچی پر محمول کیا ہے اور اس قیاس کے ذریعے ان احادیث کے عموم کو خاص کیا ہے، لیکن یہ قیاس فاسد ہے، سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے مقابلے میں اس کا کوئی اعتبار نہیں۔'' (نیل الاوطار: ٤/ ١٩٧)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ (۷۷۳۔۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

''نکاح میں ولی کی اجازت کی شرط ہونے میں علماء نے اختلاف کیا ہے، جمہور کا مذہب یہ ہے کہ ولی کی اجازت نکاح کے لیے شرط ہے، ان کا کہنا ہے کہ عورت قطعاً اپنا نکاح خود نہیں کر سکتی، انہوں نے مذکورہ احادیث کو دلیل بنایا ہے، ان میں سے قوی ترین دلیل وہ سببِ نزول ہے جو اس آیتِ کریمہ کے بارے میں

مذکور ہے اور یہ ولی کی اجازت شرط ہونے پر صریح ترین دلیل ہے، ورنہ ان (سیدنا معقل رضی اللہ عنہ) کے روکنے کے کوئی معنیٰ نہیں، نیز یہ کہ اگر وہ عورت خود نکاح کر سکتی ہوتی تو اپنے بھائی کی محتاج نہ ہوتی اور جو اپنے معاملے میں خود مختار ہو، اس کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کسی نے اس کو اس کام سے روک دیا ہے، امام ابن المنذر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ اس بارے میں کسی صحابی کا اختلاف ان کے علم میں نہیں۔''

(فتح الباری: ۹/ ۱۸۷)

**دلیل نمبر ۲ :** فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَ اٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (النساء: ۲۵) ''تم ان کے گھر والوں کی اجازت کے ساتھ ان سے نکاح کرو اور ان کو معروف طریقے سے ان کے حق مہر ادا کرو۔''

امام ابنِ جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿ بِاِذْنِ اَهْلِهِنّ﴾ باذن أربابهن وأمرهم ايّاكم بالنّكاح ورضاهم .

''یعنی ان عورتوں کے سرپرستوں کی اجازت، نکاح کے بارے میں ان کے حکم اور رضامندی سے (نکاح کرو)۔'' (تفسير ابن جرير: ١٩/٤)

**دلیل نمبر ۳ :** اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَ لَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا﴾ (البقرة: ۲۲۱) ''اور تم (اپنی عورتوں کا) مشرکین سے نکاح نہ کرو تا آنکہ وہ ایمان لے آئیں۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیتِ کریمہ سے استدلال کیا ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح صحیح نہیں، حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

**ووجه الاحتجاج من الآية والتی بعدها أنّه تعالیٰ خاطب بالنّكاح الرّجال ولم يخاطب به النّساء، فكأنّه قال: لا تنكحوا أيّها الأولياء مولياتكم للمشركين .**

''اس آیت اور بعد والی آیت سے وجہِ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نکاح کے بارے میں مردوں کو مخاطب کیا ہے، عورتوں کو نہیں، گویا کہ یوں فرمایا ہے کہ اے ولیو! تم اپنی زیرِ ولایت عورتوں کا مشرکین سے نکاح نہ کرو۔'' (فتح الباری: ۹/ ۱۸٤)

**دلیل نمبر ٤ :** فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ﴾ (النور: ۳۲) ''اور اپنے میں سے بے نکاح مردوں عورتوں کا نکاح کرو۔''

اس آیتِ کریمہ سے بھی امام بخاری نے ثابت کیا ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح صحیح نہیں۔

قرآنی دلائل کے بعد حدیثی دلائل ملاحظہ ہوں:

**دلیل نمبر ۱** : سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا دورِ جاہلیت میں نکاح کی چار صورتیں بیان کرتی ہوئی فرماتی ہیں: **انّ النّکاح فی الجاهلیة کان علیٰ اربعة أنحاء ، فنکاح منها نکاح النّاس الیوم ، یخطب الرّجل الی الرّجل ولیته أو ابنته ، فیصدقها ، ثمّ ینکحها ......فلمّا بعث محمّد صلّی اللّٰه علیه وسلّم بالحقّ هدم نکاح الجاهلیّة کلّه الّا نکاح النّاس الیوم .**

''دورِ جاہلیت میں نکاح کے چار طریقے تھے، ان میں سے ایک تو وہی ہے جو آج لوگ اختیار کرتے ہیں، یعنی ایک آدمی دوسرے آدمی کی طرف اس کی زیرِ ولایت عورت یا بیٹی کے بارے میں پیغامِ نکاح بھیجتا، پھر اس عورت کو حق مہر دے کر اس سے نکاح کر لیتا۔۔۔۔جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم حق دے کر مبعوث فرمائے گئے تو آپ نے جاہلیت کے سارے نکاح ختم کر دیئے سوائے اس نکاح کے جو لوگ آج کرتے ہیں۔''

(صحیح بخاری: ۲ /۷٦۹، ح: ۵۱۲۷)

امامِ بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث میں موجود **الّا نکاح النّاس الیوم** کے الفاظ سے ثابت کیا ہے کہ ولی کی اجازت نکاح میں ضروری ہے، کیونکہ جس نکاح کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برقرار رکھا ہے، اس کا انداز سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہی بیان کیا ہے کہ ولی خود عورت کا نکاح کرے۔

**دلیل نمبر ۲** : سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ یہ فرمانِ باری تعالیٰ:

﴿وَمَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ فِی الْکِتٰبِ فِیْ یَتٰمَی النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا کُتِبَ لَهُنَّ وَ تَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْکِحُوْهُنَّ ﴾(النساء: ۱۲۷) ''اور وہ (بھی فتویٰ دیتا ہے تم کو) ان کی بابت جو پڑھا جاتا ہے تم پر کتاب میں یتیم لڑکیوں کے بارے میں جنہیں تم ان کے مقرر کردہ حق مہر ادا نہیں کرتے اور تم ان سے نکاح کرنے کی رغبت نہیں رکھتے۔''

ایسی یتیم لڑکی کے بارے میں نازل ہوا جو کسی ایسے آدمی کے پاس ہو جس کے مال میں وہ شریک ہو، وہ آدمی اس لڑکی سے نکاح کا زیادہ مستحق ہے، لیکن وہ اس سے نکاح کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتا اور اسے دوسروں سے نکاح کرنے سے بھی روکتا ہے، اس ڈر سے کہ کہیں کوئی اس کے مال میں شریک نہ ہو جائے۔''

(صحیح بخاری: ۱ /۷۷۰، ح: ۵۱۲۸)

**دلیل نمبر ٤ :** سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

انّ عمر حین تأیّمت حفصة بنت عمر من ابن حذافة السّهمی و کان من أصحاب النّبی صلّی اللّٰه علیه و سلّم من أهل بدر توفّی بالمدینة ، فقال عمر : لقیت عثمان بن عفّان ، فعرضت علیه ، فقلت : ان شئت أنکحتک حفصة ، فقال : سأنظر فی أمری ، فلبثت لیالی ، ثمّ لقینی ، فقال : بدا لی أن لّا أتزوّج یومی هذا ، قال عمر : فلقیت أبا بکر ، فقلت : ان شئت أنکحتک حفصة . ''جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے خاوند سیدنا ابنِ حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ جو کہ بدری صحابی تھے، مدینہ میں فوت ہو گئے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان کو پیشکش کی، میں نے کہا، اگر آپ چاہیں تو میں حفصہ کا نکاح آپ سے کر دوں، انہوں نے فرمایا، میں اپنے میں غور و فکر کروں گا (پھر بتاؤں گا)، میں کچھ راتیں ٹھہر گیا، پھر عثمان رضی اللہ عنہ مجھے ملے اور فرمایا، میری سمجھ میں یہ بات آئی ہے کہ میں اس وقت شادی نہ کروں، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ پھر میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملا اور کہا، اگر آپ چاہیں تو میں حفصہ کا نکاح آپ سے کر دوں (آخر ان کا نکاح نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو گیا اور انہیں ام المومنین بننے کا شرف حاصل ہو گیا)۔''

(صحیح بخاری : ۱ /۷۷۰، ح : ۵۱۲۹)

ان دونوں حدیثوں سے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح جائز نہیں ہے، کیونکہ پہلی حدیث میں نکاح سے روکنے کی نسبت ولی کی طرف کی گئی ہے اور اس بات کو ناجائز قرار دیا گیا ہے، اگر اسلام میں ولی کے پاس عورت کو نکاح سے روکنے کی اتھارٹی ہے ہی نہیں تو اس آیت کے نزول کا کوئی مقصد نہ ہوا، حالانکہ ایسا قطعاً نہیں۔

دوسری حدیث میں بھی واضح ہے کہ باوجود بیوہ ہونے کے سیدہ حفصہ بنتِ عمر رضی اللہ عنہما کے نکاح کا انتظام ان کے ولی یعنی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا، نیز ان شئت أنکحتک حفصة (اگر آپ چاہیں تو میں آپ سے حفصہ کا نکاح کر دوں) کے الفاظ عورت کے نکاح میں ولی کی اجازت کے ضروری ہونے پر صریح ہیں، کیونکہ اگر ولی کو کوئی اختیار نہ ہو تو اس کی طرف نکاح کی نسبت کرنا لغت و عقل دونوں کے خلاف ہے۔

**دلیل نمبر ٤ :** سیدنا ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا: لا نکاح الّا بولیّ . ''ولی کے بغیر کوئی نکاح نہیں۔''

(المستدرك للحاكم : ۲ /۱۷۳، ح : ۲۷۱۷، وسندهٗ حسن والحديث صحيح)

اس حدیث کو امام ابن الجارود (۷۰۲)، امام ابن حبان (۴۰۸۳)، امام علی بن المدینی (المستدرک للحاکم: ۲/۱۷۰، السنن الکبریٰ للبیہقی: ۷/۱۰۸)، امام ذہلی (المستدرک للحاکم: ۲/۱۷۰) اور امام حاکم رحمہم اللہ نے ''صحیح'' کہا ہے۔

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **هذا حديث حسن صحيح** .(تخريج احاديث المختصر : ۳۷۱/۲۔۳۷۲)

یہ حدیث اس بات پر نص ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔

امیر صنعانی فرماتے ہیں: **والحديث دلّ على أنّه لا يصحّ النّكاح الّا بوليّ ، لأنّ الأصل في النّفي نفي الصّحّة لا الكمال .**

''یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح صحیح نہیں، کیونکہ نفی میں اصل صحت کی نفی ہوتی ہے نہ کہ کمال کی نفی۔'' (سبل السلام : ۳ /۱۱۷)

**دلیل نمبر ۵ :** سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

**ايّما امرأة نكحت بغير اذن وليّها فنكاحها باطل ، فنكاحها باطل ، فنكاحها باطل ، فان دخل بها فلها المهر بما استحلّ من فرجها ، فان اشتجروا فالسّلطان وليّ من لّا وليّ له .**

''جو عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرتی ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اگر مرد اس کے ساتھ دخول کر لیتا ہے تو اس عورت کو مرد کی طرف سے شرمگاہ کو حلال کرنے کے عوض حق مہر ملے گا اور اگر ان میں اختلاف ہو جائے تو حاکمِ وقت اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہیں ہے۔'' (مسند اسحاق : ٤٩٩، مسند الامام احمد : ٦ /١٦٥۔١٦٦، مسند الحميدی : ٢٢٨، مسند الطيالسی (منحة : ١ /٣٠٥)، سنن ابی داوٗد : ٢٠٨٣، سنن ابن ماجه : ١٨٧٩، سنن ترمذی : ١١٠٢، السنن الكبریٰ للنسائی : ٥٣٩٤، مسند ابی يعلیٰ : ٢٠٨٣، سنن الدارقطنی : ٢٢١/٣، السنن الكبریٰ للبيهقی : ٧ /١٠٥، وسندهٗ حسن)

اس حدیث کو امام ترمذی اور حافظ ابن عساکر (معجم الشیوخ: ۲۳۴) رحمہما اللہ نے ''حسن''، جبکہ امام ابن الجارود (۷۰۰)، امام ابو عوانہ (۴۲۵۹)، امام ابن خزیمہ (فتح الباری : ۹ /۱۹۱)، امام ابن حبان (۴۰۷۴، ۴۰۷۵)، حافظ بیہقی (السنن الکبریٰ: ۷/۱۰۷)، حافظ ابن الجوزی (التحقیق: ۲/۲۵۵) اور امام حاکم

رحمہم اللہ نے ''صحیح'' کہا ہے۔

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **لیس یصحّ فی هذا شیء الّا حدیث سلیمان بن موسیٰ .**

''اس (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہ کی حدیث) میں صرف سلیمان بن موسیٰ کی حدیث صحیح ہے۔''

(التاریخ لابن معین بروایة الدوری : ۲۳٦/۲، الکامل لابن عدی : ۳ /۱۱۱۵، السنن الکبریٰ للبیهقی : ۷ /۱۰۷)

حافظ ابوموسیٰ المدینی کہتے ہیں: **هذا حدیث ثابت مشهور یحتجّ به .**

''یہ ثابت شدہ اور مشہور قابلِ حجت حدیث ہے۔'' (اللطائف : ۵۵٦، ۵۸٦، ٦۰٦)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے اس کو ''حسن'' کہا ہے۔ (تخریج احادیث المختصر : ۲۰۵/۲)؟؟؟؟

حافظ بیہقی رحمہ اللہ اس حدیث کے راویوں کے بارے لکھتے ہیں:

**و کلّهم ثقة حافظ .** ''یہ سب ثقہ حافظ ہیں۔'' (معرفة السنن والآثار : ۱۰ /۲۹)

امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وهذا حدیث جلیل فی هذا الباب ((لا نکاح الّا بولیّ)) ، وعلی هذا الاعتماد فی ابطال نکاح بغیر ولیّ .**

''ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوتا، اس بارے میں یہ حدیث عظیم الشان ہے اور بغیر ولی کے نکاح کو باطل قرار دینے پر اسی پر اعتماد کیا جاتا ہے۔'' (الکامل لابن عدی : ۳ /۱۱۱۵، وفی نسخة : ۳ /۲٦٦)

امام ابنِ حبان رحمہ اللہ نے اس حدیث پر باب قائم کیا ہے:

**ذکر بطلان النّکاح الّذی نکح بغیر ولیّ .** ''ولی کے بغیر کیے گئے نکاح کے باطل ہونے کا بیان۔''

(صحیح ابن حبان : ۳۸٤/۹)

**دلیل نمبر ٦ :** خلیفۂ راشد سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

**أیّما امرأة نکحت بغیر اذن ولیّها فنکاحها باطل ، لا نکاح الّا باذن ولیّ .**

''جو عورت بھی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر لے، اس کا نکاح باطل ہے، ولی کی اجازت کے بغیر کوئی نکاح نہیں۔'' (السنن الکبریٰ للبیهقی : ۱۱۱/۷، وسندہٗ صحیح)

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **هذا اسناد صحیح .** ''یہ سند صحیح ہے۔''

**دلیل نمبر ۷ :** ام المومنین سیدہ زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہے:

**فکانت زینب تفخر علی أزواج النّبی صلّی اللّٰه علیه وسلّم تقول : زوّجکنّ أهالیکنّ**

وزوّجني الله تعالىٰ من فوق سبع سموت .

''سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات پر فخر کرتے ہوئے کہتی تھیں کہ تمہارا سب کا نکاح تمہارے گھر والوں نے کیا ہے، جبکہ میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کے اوپر سے کیا ہے۔'' (صحیح بخاری: ۲ /۱۱۰٦، ح: ٦٤٢٠)

**دلیل نمبر ۸ :** سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا أراد الرّجل أن يزوّج ابنته فليستأذنها .

''جب کوئی آدمی اپنی بیٹی کی شادی کرنے لگے تو اس سے اجازت طلب کرے۔''

(مسند ابی یعلیٰ: ۷۲۲۹، وسندہٗ صحیح)

حافظ ہیثمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: رواه أبو يعلىٰ والطّبراني ورجاله رجال الصّحيح .

''اس کو امام ابو یعلیٰ اور امام طبرانی نے بیان کیا ہے اور اس کے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں۔''

(مجمع الزوائد: ٤ /۲۷۹)

اس حدیث میں آدمی کو اپنی بیٹی کا نکاح کرتے وقت اس سے اجازت لینے کا حکم دیا گیا ہے، واضح ہے کہ نکاح کا اختیار ولی کے پاس ہے، ورنہ اگر عورت اس معاملے میں خود مختار ہوتی تو ولی کیسے اس کا نکاح کر سکتا تھا اور کیوں اس سے اجازت طلب کرتا پھرتا، پھر تو عورت اپنے گھر والوں کو بتاتی کہ میں نے فلاں مرد سے نکاح کرنا ہے، جبکہ حدیث میں ولی کو حکم ہے کہ وہ لڑکی کو اعتماد میں لے۔

**دلیل نمبر ۹ :** سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الثّيّب أحقّ بنفسها من وليّها ، والبكر تستأمر ، واذنها سكوتها .

''بیوہ اپنے (نکاح کے) بارے میں اپنے ولی سے بڑھ کر حق رکھتی ہے اور کنواری لڑکی سے اجازت طلب کی جائے گی، اس کی خاموشی ہی اس کی اجازت ہے۔'' (صحیح مسلم: ۱ /٤٥٥، ح: ١٤٣١)

ایک روایت میں ہے: ليس للوليّ مع الثّيّب أمر ، واليتيمة تستأمر ، وصمتها اقرارها .

''ولی کو بیوہ کے ساتھ کوئی کام نہیں، کنواری لڑکی سے مشورہ لیا جائے گا، اس کی خاموشی ہی اقرار ہے۔''

امام ابنِ حبان اس حدیث کے مفہوم کو یوں بیان کرتے ہیں:

((الأيّم أحقّ بنفسها)) أراد به أحقّ بنفسها من وليّها بأن تختار من الأزواج من شاء ت ،

فتقول : أرضىٰ فلانا ، ولا أرضىٰ فلانا ، لا أنّ عقد النّكاح اليهن دون الأولياء .

''بیوہ اپنے نفس کی زیادہ حق دار ہے، اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ وہ خاوندوں میں سے جس کو چاہے پسند کرے، وہ کہے کہ میں فلاں کو پسند کرتی ہوں اور فلاں کو پسند نہیں کرتی ، یہ مراد نہیں کہ عقدِ نکاح اولیاء کی بجائے ان کے ہاتھ میں ہے۔'' (صحيح ابن حبان ، تحت حديث : ٤٠٨٧)

نیز ليس للولي مع الثيب امر کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قوله صلّى الله عليه وسلّم ((ليس للوليّ مع الثيّب أمر )) يبيّن لک صحّة ما ذهبنا اليه أنّ الرّضا والاختيار الى النّساء والعقد الى الأولياء ، لنفيه صلّى الله عليه وسلّم عن الوليّ انفراد الأمر دونها اذا كانت ثيّبا ، لأنّ لها الخيار فى بضعها والرّضا بما يعقد عليها .

وقوله صلّى الله عليه وسلّم : ((اليتيمة تستأمر)) أراد به تسترضىٰ فيمن عزم له على العقد عليها ، فان صمتت فهو اقرارها ، ثمّ يتربّص بالعقد الى البلوغ ، لأنّها وان صمتت وأذنت ليس لها أمر ولا اذن ، اذ الأمر والاذن لا يكون الا للبالغة .

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ بیوہ کے ساتھ ولی کو کوئی کام نہیں، ہمارے اس مذہب کی صحت کو روزِ روشن کی طرح عیاں کرتا ہے کہ مرد کے بارے میں رضا واختیار تو عورتوں کا حق ہے اور نکاح کرنا اولیاء کا حق ہے، کیونکہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے بیوہ ہونے کی صورت میں ولی کو عورت سے پوچھے بغیر اپنی مرضی سے نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ عورت کو اپنی عصمت میں اختیار اور مرد میں رضامندی ظاہر کرنے کا حق حاصل ہے۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ کنواری لڑکی سے مشورہ کیا جائے، اس سے مراد یہ ہے کہ جس مرد سے اس کا نکاح کرنے کا ارادہ ہو، اس کے بارے میں اس کی رضامندی طلب کی جائے، اگر وہ خاموش ہو جائے تو یہ اس کا اقرار ہے، پھر وہ اس لڑکی کے بالغ ہونے تک عقد کا انتظار کرے، کیونکہ اگرچہ اس نے خاموش ہو کر اجازت دے دی ہے، مگر اس نابالغ کے لیے نہ کوئی امر ہے اور نہ اجازت، کیونکہ مشورہ اور اجازت صرف بالغہ کے لیے ہے۔''

امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

وقد احتجّ بعض النّاس فى اجازة النّكاح بغير وليّ بهذا الحديث ، وليس فى هذا الحديث

ما احتجّوا به ، لأنّه قد روی من غیر وجه عن ابن عباس عن النّبی صلّی اللّٰه علیه وسلّم قال : لا نکاح الّا بولیّ (سنن ابن ماجه : ۱۸۸۰، وسندهٗ حسن والحدیث صحیح) وھکذا أفتی به ابن عباس بعد النّبی صلّی اللّٰه علیه وسلّم ، فقال : لا نکاح الّا بولیّ (سنن سعید بن منصور : ۵۵۳، مصنف ابن ابی شیبة : ٤ /۲ /۱۲۸، وسندهٗ ضعیف) ، وانّما معنیٰ قول النّبی صلّی اللّٰه علیه وسلّم ((الأیّم أحقّ بنفسها من ولیّها )) عند أکثر أھل العلم أنّ الولیّ لا یزوّجها الّا برضاها وأمرھا ، فان زوّجها فالنّکاح مفسوخ علیٰ حدیث خنساء بنت خدام (صحیح بخاری : ۱ /۷۷۱، ح : ۵۱۳۸، سنن ترمذی : ۱۱۰۸) حیث زوّجها أبوھا وھی ثیّب ، فکرھت ذالک ، فردّ النّبی صلّی اللّٰه علیه وسلّم نکاحه .

''اس حدیث سے بعض لوگوں نے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کے جواز کی دلیل لی ہے، حالانکہ اس حدیث میں ان کی دلیل موجود نہیں، کیونکہ یہ حدیث کئی سندوں کے ساتھ سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ولی کے بغیر کوئی نکاح نہیں (سنن ابن ماجه : ۱۸۸۰، وسندهٗ حسن والحدیث صحیح) ، اسی طرح سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح فتویٰ دیا ہے (سنن سعید بن منصور : ۵۵۳، مصنف ابن ابی شیبة : ٤ /۲ /۱۲۸، وسندهٗ ضعیف) ، نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کہ شوہر دیدہ اپنے ولی سے بڑھ کر اپنے نفس کی حق دار ہوتی ہے، اکثر علمائے کرام کے نزدیک اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ولی اس کا نکاح اس کی رضا مندی اور مشورے کے بغیر نہیں کرسکتا، اگر ولی نے اس کا نکاح بغیر اس کی مرضی کے کر دیا تو وہ نکاح فسخ کر دیا جائے گا، جیسا کہ خنساء بنتِ خدام کی حدیث (صحیح بخاری : ۱ /۷۷۱، ح : ۵۱۳۸، سنن ترمذی : ۱۱۰۸) ہے کہ ان کے باپ نے ان کا نکاح کر دیا، وہ شوہر دیدہ تھیں، انہوں نے اس نکاح کو پسند نہ کیا تو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ولی کا کیا ہوا نکاح رد کر دیا۔'' (سنن ترمذی ، تحت حدیث: ۱۱۰۸)

علامہ سندھی حنفی لکھتے ہیں: ((الأیّم أحقّ )) ھو یقتضی المشارکة ، فیفید أنّ لھا حقّا فی نکاحھا ولولیّھا حقّا ، وحقّھا أوکد من حقّه ، فانّھا لا تجبر لأجل الولیّ ، وھو یجبر لأجلھا ، فان أبی زوّجھا القاضی ، فلا ینافی ھذا الحدیث حدیث : لا نکاح الّا بولیّ .

''شوہر دیدہ زیادہ حق رکھتی ہے، یہ فرمانِ نبوی مشارکت کا تقاضا کرتا ہے، یہ اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ نکاح میں عورت کا بھی حق ہے اور اس کے ولی کا بھی حق ہے اور اس کا حق زیادہ تاکید والا ہے، پس (شوہر دیدہ) کو ولی کی وجہ سے مجبور نہیں جائے گا، جبکہ اس کے ولی کو اس شوہر دیدہ کی وجہ سے مجبور کیا جائے گا، چنانچہ

اگر وہ (ولی) انکار کردے تو قاضی اس کا ولی بن کر نکاح کردے گا، پس یہ حدیث لا نکاح الّا بولی کے خلاف نہیں ہے۔'' (حاشیة السندی علی النسائی : ٦/٨٤)

یہی بات حافظ نووی رحمہ اللہ نے کہی ہے۔ (شرح صحیح مسلم : ١/٤٥٥)

**فائدہ :** الأیّم کا لفظ اگرچہ اپنے مفہوم کے اعتبار سے عام ہے، لیکن یہاں اس سے مراد شوہر دیدہ ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ البکر کا عطف الأیّم پر ہے، معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان مغایرت ہوتی ہے، اس کی تائید صحیح مسلم (١/٤٩٥، ح:١٤٢١) کے ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے:

**الثّیّب أحقّ بنفسها من ولیّها .** ''شوہر دیدہ عورت اپنے نفس کی اپنے ولی سے بڑھ کر حق دار ہے۔''

حافظ نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **قال العلماء الأیّم هنا الثّیّب .**

''علمائے کرام کا کہنا ہے کہ یہاں الأیّم سے مراد شوہر دیدہ عورت ہے۔'' (شرح مسلم للنووی : ١/٤٥٥)

امام سعید بن مسیّب اور امام حسن بصری ایسی عورت جس نے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرلیا ہو، اس کے بارے میں فرماتے ہیں: **یفرّق بینهما .** ''ان دونوں کے درمیان جدائی واقع کی جائے گی۔'' (مصنف ابن ابی شیبة : ٤/٢/ ١٣٧، ح : ١٦١٧٦، وسندهٗ صحیح)

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وبهذا یقول سفیان الثّوری والأوزاعیّ ومالک وعبداللّٰه ابن المبارک والشّافعیّ وأحمد واسحاق .**

''امام سفیان بن سعید ثوری، امام اوزاعی، امام مالک، امام عبداللہ بن مبارک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔''

(سنن ترمذی ، تحت حدیث : ١١٠٧)

علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نکاح میں ولی کی اجازت شرط ہونے کے متعلق لکھتے ہیں:

**فانّه دلّ علیه القرآن فی غیر موضع والسّنّة فی غیر موضع ، وهو عادة الصّحابة ، انّما کان یزوّج النّساء الرّجال ، لا یعرف أنّ امرائة تزوّج نفسها ، وهذا ممّا یفرّق فیه بین النّکاح ومتّخذات أخدان .**

''اس کی دلیل قرآن وسنت میں بار ہا مقامات پر موجود ہے، یہی صحابہ کی عادت تھی، مرد ہی عورتوں کا نکاح کرتے تھے، یہ ثابت نہیں ہوسکا کہ (اس دور میں) کسی عورت نے اپنا نکاح خود کرلیا ہو، اسی بات سے

نکاح اور ناجائز آشنائی والیوں میں فرق ہوتا ہے۔'' (مجموع الفتاویٰ : ۳۲/ ۱۳۱)

ابنِ قدامہ المقدسی لکھتے ہیں: انّ النّکاح لا یصحّ الّا بولیّ ولا تملک المرأة تزویج نفسها ولا غیرها ولا توکیل غیر ولیّها فی تزویجها ، فان فعلت لم یصحّ النّکاح .

''ولی کے بغیر نکاح جائز نہیں، نہ ہی عورت اپنا یا کسی اور عورت کا نکاح کر سکتی ہے، نہ اپنے ولی کے علاوہ کسی اور کو اپنے نکاح کی ذمہ داری دے سکتی ہے، اگر ایسا کرے گی تو نکاح درست نہ ہوگا۔'' (المغنی : ۱۴۹/۶)

شاہ ولی اللہ الدہلوی الحنفی نکاح میں ولی کی اجازت شرط ہونے کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وفی اشتراط الولیّ فی النّکاح تنویه أمرهم واستبداد النّساء بالنّکاح وقاحة منهنّ ، منشؤها قلّة الحیاء واقتضاب علی الأولیاء وعدم اکتراث لهم ، وأیضا یجب أن یمیّز النّکاح من السّفاح بالتّشهیر وأحقّ التّشهیر أن یحضره أولیائها .

''نکاح میں ولی کی جو شرط لگائی گئی ہے، اس میں ولیوں کی شان کو بلند کرتا ہے اور عورتوں کا نکاح کے ساتھ منفرد ہونا یہ ان کی رسوائی ہے، جس کا باعث قلتِ حیاء، مردوں پر برجستہ ہونا اور ان کی پروا نہ کرنا ہے اور یہ بات بھی ہے کہ نکاح کو بدکاری سے تشہیر کے ساتھ جدا کیا جائے اور اس تشہیر میں سب سے زیادہ حق دار چیز ولیوں کا حاضر ہونا ہے۔'' (حجة الله البالغة : ۱۲۷/۲)

**اعتراض :** انّ عائشة زوج النّبی صلّی اللّٰه علیه وسلّم زوّجت حفصة بنت عبدالرّحمن ، المنذر بن الزّبیر ، وعبدالرّحمن غائب بالشّام ، فلمّا قدم عبدالرّحمن قال : ومثلی یصنع هذا به ؟ ومثلی یفتات علیه ؟ فکلّمت عائشة المنذر بن الزّبیر ، فقال المنذر : فان ذالک بعد عبدالرّحمن ، فقال عبدالرّحمن : ما کنت لأردّ أمرا قضیتنیه ، فقرّت حفصة عند المنذر ، ولم یکن ذالک طلاقا .

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حفصہ بنتِ عبدالرحمٰن کا نکاح منذر بن زبیر سے کر دیا، جبکہ عبدالرحمٰن شام کے سفر پر تھے، جب وہ آئے تو کہنے لگے، کیا میرے جیسے شخص کے ساتھ یہ معاملہ کیا جاتا ہے؟ کیا میرے جیسے شخص کے مشورے کے بغیر کام کیا گیا ہے؟ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے منذر سے بات کی، منذر نے کہا، یہ کام عبدالرحمٰن کے بعد ہوا تھا، عبدالرحمٰن نے کہا، میں اس معاملے کو رد نہیں کر سکتا جس کو آپ نے طے کر دیا ہے، لہٰذا حفصہ منذر کے ہاں ہی رہیں اور یہ طلاق نہ ہوئی۔''

موطا امام مالك : ۲ /۵۵۵ ، السنن الكبرىٰ للبیهقی : ۷ /۱۱۲-۱۱۳)

**جواب** : یہ معاملہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے اور مشورے سے طے پایا تھا، اس لیے نکاح کی نسبت ان کی طرف کر دی گئی ہے، ولی کوئی اور ہوگا، کیونکہ ایک عورت دوسری عورت کی ولی نہیں بن سکتی، اس میں اشارہ تک نہیں ملتا کہ یہ نکاح ولی کے بغیر ہوا تھا، جیسا کہ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وأجيب بأنّه لم يرد فى الخبر التّصريح بأنّها باشرت العقد ، فقد يحتمل أن تكون البنت المذكورة ثيّبا ودعت الى كفئ وأبوها غائب ، فانتقلت الولاية الى الوليّ الأبعد أو الى السّلطان.

''اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حدیث میں یہ وضاحت موجود نہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے خود نکاح کیا تھا، احتمال ہے کہ مذکورہ لڑکی بیوہ ہو اور وہ ہم سر رشتے کے سپرد کر دی گئی اس حال میں کہ اس کا باپ غائب تھا، چنانچہ ولایت دور والے ولی یا حاکمِ وقت کی طرف منتقل ہوگئی۔'' (فتح الباری : ٩/ ١٨٦)

امام بیہقی رحمہ اللہ اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

انّما أريد به انّها مهّدت تزويجها ، ثمّ تولّٰى عقد النّكاح غيرها ، فأضيف التّزويج اليها ، لأنّها فى ذالک وتمهيدها أسبابه ، والله أعلم !

''اس سے مراد یہ ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے نکاح کا بندوبست کیا تھا، جبکہ نکاح کا ولی وہ نہیں بنی تھیں، مگر (اس بندوبست کی وجہ سے) نکاح کی نسبت ان کی طرف کر دی گئی، کیونکہ وہ اس نکاح کے بندوبست میں شریک تھیں اور نکاح کا بندوبست کرنا یہ اس نکاح کے اسباب میں سے ہے، (لہٰذا سبب بننے والے کی طرف نسبت ہوگئی۔'' (السنن الکبریٰ للبیهقی : ٤/ ١١٣)

ثابت ہوا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی روایت کے خلاف کچھ نہیں کیا، والحمد للہ!

عبدالرّحمن بن الزّناد عن أبيه من الفقهاء الّذين ينتهى الى قولهم من تابعى أهل المدينة ، كانوا يقولون : لا تعقد امرأة عقدة النّكاح فى نفسها ولا فى غيرها .

''عبدالرحمٰن بن زناد اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ جن تابعین کے قول کو فیصلہ کن سمجھا جاتا تھا، وہ کہتے تھے کہ عورت نہ خود اپنا نکاح کر سکتی ہے، نہ کسی اور عورت کا۔'' (السنن الکبریٰ للبیهقی : ٤/ ١١٣)

مشہور تابعی امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لا تنكح المرأة المرأة . ''کوئی عورت دوسری عورت کا نکاح نہیں کر سکتی۔''

(مصنف ابن ابی شیبة : ٤/ ٢/ ١٣٤، وسندہٗ صحیح)

**فائدہ :** امام محمد بن سیرین تابعی رحمہ اللہ فرماتے تھے:

**لا تنکح المرأۃ نفسها ، و کانوا یقولون : انّ الزّانیة هی التی تنکح نفسها .**

''عورت اپنا نکاح خودنہیں کرسکتی، وہ (صحابہ وتابعین) کہا کرتے تھے کہ جوعورت خوداپنا نکاح کرتی ہے، وہ بلاشبہ زانیہ ہے۔'' (مصنف ابن ابی شیبة : ٤/ ١٣٤/٢، وسندہٗ صحیح)

**اعتراض نمبر ۲ :** سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

**انّه أجاز نکاح امرأۃ بغیر ولیّ ، أنکحتها أمّها بر ضاها .**

''آپ نے ایک عورت کا بغیر ولی کے نکاح جائز قرار دیا، اس کی ماں نے اس کی رضامندی سے نکاح کیا تھا۔'' (مصنف ابن ابی شیبة : ٤/ ١٣٢/٢)

**تبصرہ :** اس کی سند سخت ترین ''ضعیف'' ہے، کیونکہ:

۱☆ اس میں ابومعاویہ الضریر ''مدلس'' ہیں اور ''عن'' سے روایت کررہے ہیں۔

۲☆ اس میں ایک مبہم ومجہول راوی موجود ہے۔

۳☆ یہ قرآن وحدیث اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اپنے قول کے بھی خلاف ہے۔

☆☆..........☆☆..........☆☆

## اپیل برائے دعائے مغفرت

حاجی مرزا جان صاحب، حاجی محمد اعظم صاحب، خضر حیات ساہی صاحب اور چوہدری نذیر ساہی صاحب کے بھائی عمر حیات بن غلام محمد ساہی چک مجاہد شالی تحصیل پنڈ دادنخان جہلم وفات پا گئے ہیں، مرحوم صحیح العقیدہ اور غیور مسلمان تھے، قارئین سے التماس ہے کہ ان کی مغفرت کے لیے خصوصی دعا فرمائیں۔

☆☆..........☆☆..........☆☆

## اعتذار

قارئین کرام! ماہنامہ **السنة** شمارہ نمبر 7 ،صفحہ نمبر 9 ،سطر نمبر 12 میں کمپوزنگ کی غلطی سے آیت کریمہ میں وَرَافِعُکَ کی بجائے وَرَافِعَکَ لکھا گیا ہے، قارئین اصلاح فرمالیں۔

☆☆..........☆☆..........☆☆

# عورتوں کا مسجد میں جانا جائز ہے

حافظ ابو یحییٰ نور پوری

عورت اسلامی معاشرے کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتی ہے، مسلمان عورت ماں، بہن، بیوی اور بیٹی ہر روپ میں گھرانے کا جزوِ لاینفک ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں اس کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دی جاتی رہی ہے، کیونکہ اس کی تعلیم وتربیت گویا آنے والی نسلوں کی اصلاح کا پیش خیمہ ہے اور اس کی جہالت آنے والی کئی پشتوں کا خانہ خراب کرنے کے مترادف ہے۔ اسی لیے ایک مصری شاعر حافظ ابراہیم نے کیا خوب کہا تھا: **الأمّ مدرسة ان أعددتّها أعددتّ شعبا طيّب الأعراق .**

''ماں ایک درسگاہ ہے اور اس درسگاہ کو اگر آپ نے سنوار دیا تو گویا ایک بااصول اور پاکیزہ نسب والی قوم کی تشکیل کر دی۔''

اسلامی معاشرے میں سب سے بڑا تعلیمی مرکز مسجد ہے، لیکن افسوس کہ بعض لوگ علمِ دین سے دور کر دینے والی شیطانی پالیسی کو بھانپنے کے بجائے اس کے آلۂ کار بن کر عورتوں کو مسجدوں سے روک رہے ہیں، حالانکہ انہی لوگوں کی عورتیں اگر دنیاوی علم حاصل کرنے کے لیے سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جائیں تو ان کا جذبۂ غیرت جوش نہیں مارتا، نیز بازاروں اور مارکیٹوں میں غیر محرم دوکانداروں سے شاپنگ کرتی پھریں تو غیرت کا جنازہ نہیں نکلتا، لیکن اگر وہ مسجد میں آئیں تو ان کو فتنے کا خدشہ ہو جاتا ہے۔

آیئے عہدِ نبوی میں مسلمانوں کی عورتوں یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابیات کے عمل اور وحیٔ الٰہی بولنے والی زبان سے فیصلہ کرواتے ہیں:

## دلیل نمبر ۱ :

**عن أمّ سلمة رضى الله عنها قالت : كان يسلّم فينصرف النّساء ، فيدخلن بيوتهن من قبل أن ينصرف رسول الله صلّى الله عليه وسلّم .**

''سیدہ امّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے سلام پھیرتے تو عورتیں فوراً واپس جا کر (مقتدیوں کی طرف) آپ کے چہرۂ مبارک پھیرنے سے پہلے اپنے گھروں میں داخل ہو جاتیں۔'' (صحیح بخاری: ۸۵۰)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں عورتیں مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے جایا کرتی تھیں، ان کے لیے کوئی ممانعت نہ تھی، اب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی اس کی وضاحت ملاحظہ فرمائیں:

## دلیل نمبر ۲ :

**عن عائشة رضی اللّٰہ عنها قالت : ان کان رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم لیصلّی الصّبح ، فینصرف النّساء متلفّعات بمروطهن ، ما یعرفن من الغلس .**

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، بیان کرتی ہیں کہ اس بات میں کچھ شبہ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز ادا فرماتے تو عورتیں فوراً چادروں میں لپٹی ہوئی واپس چلی جاتیں، وہ اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہ جاتی تھیں۔'' (صحیح بخاری : ۸٦۷، صحیح مسلم : ٦٤٥)

## دلیل نمبر ۳ :

**عن أبی هریرة رضی اللّٰہ عنه قال : قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم : خیر صفوف الرّجال أوّلها وشرّها آخرها ، وخیر صفوف النّساء آخرها وشرّها أوّلها .**

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مردوں کی صفوں میں سے بہترین صف سب سے پہلی اور سب سے بری (ثواب میں کم) سب سے آخری صف ہے، جبکہ عورتوں کی صفوں میں سب سے بہترین صف آخری اور سب سے بری (ثواب میں کم) پہلی صف ہے۔'' (صحیح مسلم : ٤٤٠)

ان احادیث کے بعد تو کوئی شک نہیں رہا کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مبارک میں عورتیں نماز کے لیے مسجد میں آتی تھیں۔

پھر اس بارے میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت بھی موجود ہے:

## دلیل نمبر ٤ :

**عن أبی هریرة رضی اللّٰہ عنه أنّ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم قال : لا تمنعوا اماء اللّٰہ مساجد اللّٰہ ، ولکن لیخرجن وهنّ تفلات .**

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم اللہ کی بندیوں کو

اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو، ان کو بھی چاہیے کہ وہ خوشبو لگائے بغیر نکلیں۔''

(مسند الامام احمد : ۲ /۵۲۸، سنن ابی داوٗد : ۵٦۵، وسندہٗ حسن)

اس حدیث کو امام ابنِ خزیمہ (۱٦۷۹)، امام ابنِ حبان (۲۲۱۴)، امام ابن الجارود (۳۳۲) اور حافظ نووی (المجموع: ۱۹۹/۴) رحمہم اللہ نے ''صحیح'' کہا ہے۔

نیز حافظ نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **رواہ أبو داوٗد باسناد الصّحیحن .** ''اس حدیث کو امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے بخاری و مسلم کی سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔''(خلاصۃ الاحکام: ۲ /۹۷۹، ح : ۲۳۵۳)

اب سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ایمان افروز واقعہ بھی پڑھتے جائیے:

## دلیل نمبر ۵ :

**عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنہما قال : قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم : ائذنوا للنّساء باللّیل الی المساجد ، فقال لہ ابن لہ ، یقال لہ واقد : اذن یتّخذن لہ دغلا ، قال : فضرب فی صدرہ وقال : أحدّثک عن رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم وتقول : لا .**

''سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، (اگر عورتیں اجازت مانگیں تو) اپنی عورتوں کو رات کے وقت مسجدوں میں جانے کی اجازت دو، ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کے واقد نامی بیٹے نے کہا، (میں تو اجازت نہیں دوں گا) وہ تو اس کام کو خرابی (کا حیلہ) بنالیں گی، آپ نے اس کے سینے میں (زوردار تھپیڑا) مارا اور فرمایا، میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنا رہا ہوں اور تو کہتا ہے کہ (میں ان کو اجازت) نہیں (دوں گا)۔''(صحیح مسلم : ٤٤۲)

اس حدیث سے جہاں عورتوں کے مسجد میں جانے کا جواز ثابت ہوتا ہے، وہاں عورتوں کو مسجدوں سے منع کرنے والوں کے لیے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اتباعِ سنت، عبرت بھی ہے۔

صحیح مسلم کی ایک روایت(۱۳۵ /٤٤۲) میں تو ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کے دوسرے بیٹے سالم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ جب آپ کے بیٹے نے حدیث سن کر بھی عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم ان کو ضرور روکیں گے تو:

**فأقبل علیہ عبداللّٰہ ، فسبّہ سبّا سیّئا، ما سمعتہ سبّہ مثلہ .**

''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور اتنا سخت برا بھلا کہا کہ میں نے اس جیسی

سختی آپ میں کبھی نہ سنی تھی۔''

یہ تھا صحابہ کرام کا جذبۂ اتباع، اب بھی اگر کوئی یہی بہانہ بنا کر عورتوں کو مسجد میں جانے سے روکے تو خود ہی سوچے کہ کیا روزِ محشر اس سنت کی مخالفت کر کے وہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثار صحابہ کو کیا منہ دکھائے گا؟

## دلیل نمبر ٦ :

**عن أبی قتادة رضی اللّٰہ عنہ عن النّبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم قال : انّی لأقوم فی الصّلاة ، أرید أن أطوّل فیھا ، فأسمع بکاء الصّبی ، فأتجوّز فی صلاتی ، کراھیة أن أشقّ علی أمّہ .**

''سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، میں نماز میں کھڑا ہوتا ہوں تو اسے لمبا کرنے کا ارادہ ہوتا ہے، پھر بچے کے رونے کی آواز سن کر اپنی نماز مختصر کر دیتا ہوں کہ کہیں میں اس کی ماں کو مشقت میں نہ ڈال دوں۔'' (صحیح بخاری : ٨٦٨)

عورتوں کو مسجدوں سے روکنے والے بتائیں کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مبارک میں تو عورتیں اتنے اہتمام سے مسجد میں آئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بچوں کے رونے کے باوجود، جو کہ ایک قسم کا خلل بھی تھا، مسجد میں آنے سے نہ روکیں تو بعد میں یہ اختیار کس کو حاصل ہو گیا ہے؟

نیز اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے مسجد جانے میں تفصیل کرنا، یعنی جوان عورتوں کو مطلق طور پر اور بوڑھی عورتوں کو دن میں مسجد میں جانے سے منع کرنا بالکل بے بنیاد ہے، کیونکہ چھوٹے چھوٹے بچوں والی عورتیں جوان ہی ہوتی ہیں، نہ کہ ''عجوز'' یعنی بوڑھی، اسی طرح اس حدیث میں کسی نماز کی تخصیص بھی نہیں ہے، بلکہ اس حدیث میں عموم ہے، ثابت ہوا کہ اس طرح باتیں بنانا قرآن وسنت سے خیرخواہی نہیں۔

## دلیل نمبر ٧ :

**عن زینب امرأة عبداللّٰہ قالت : قال لنا رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم : اذا شھدت احداکنّ المسجد فلا تمسّ طیبا .**

''سیدہ زینب رضی اللہ عنہا جو کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ ہیں، بیان کرتی ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فرمایا، جب تم (عورتوں) میں سے کوئی مسجد میں آئے تو خوشبو نہ لگائے۔''

(صحیح مسلم : ٤٤٣)

ثابت ہوا کہ اگر عورت نے خوشبو نہ لگائی ہو تو اسے مسجد میں داخل ہونے سے کوئی چیز مانع نہیں۔

## دلیل نمبر ۸ :

**عن أمّ هشام بنت حارثة رضی اللّٰہ عنها قالت : ما أخذت ﴿ قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ﴾ الّا عن لّسان رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم ، یقرأها کلّ جمعة علی المنبر اذا خطب النّاس .**

''سیدہ امِ ہشام بنتِ حارثہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے سورۂ ق رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے (سن کر) ہی تو یاد کی تھی، آپ اسے ہر جمعہ کے دن منبر پر لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے تلاوت فرمایا کرتے تھے۔'' (صحیح مسلم : ۵۲ /۸۷۳)

اب ذرا غور فرمائیں تو معلوم ہو کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں دنیا کی سب سے پاکباز عورتیں اور سب سے پاکباز خاوندوں کی بیویاں کتنی پابندی سے نمازِ جمعہ ادا کرنے کے لیے مسجد میں حاضر ہوا کرتی تھیں، کائنات کے سب سے باغیرت اور عصمتوں کے محافظ تو اپنی بیویوں کو اجازت دیتے رہے، لیکن آج کے نام نہاد دین پرست رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت آجانے کے بعد بھی عورتوں کو مسجدوں سے روکنے پر کیوں ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔

## دلیل نمبر ۹ :

**عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنهما قال : کانت امرأة لعمر تشهد صلاة الصّبح والعشاء فی الجماعة فی المسجد ، فقیل لها : لم تخرجین وقد تعلمین أنّ عمر یکره ذلک ویغار ؟ قالت : وما یمنعنه أن ینهانی ؟ قال : یمنعه قول رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم : لا تمنعوا اماء اللّٰہ مساجد اللّٰہ .**

''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ایک زوجہ صبح اور عشاء کی نماز مسجد میں جا کر جماعت کے ساتھ ادا کرتی تھیں، ان سے پوچھا گیا، آپ کیوں (مسجد کی طرف) نکلتیں ہیں، حالانکہ آپ جانتی بھی ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کام کو پسند نہیں کرتے اور غیرت کھاتے ہیں؟ وہ کہنے لگیں، ان کو کون سی چیز مانع ہے کہ وہ مجھے منع نہیں کرتے؟ کہا، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ تم اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو۔'' (صحیح بخاری : ۸۵۸، صحیح مسلم : ٤٤٢ مختصراً)

قارئین کرام! جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی بھی ناپسند کرنے کے باوجود رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی بیوی کو مسجد جانے سے نہیں روکتے تھے تو بعد کے مفتیان یہ جرأت کیونکر کرسکتے ہیں؟

## دلیل نمبر ۱۰ :

**عن أسماء بنت أبی بکر رضی اللّٰہ عنہا قالت : سمعت رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم یقول : من کان منکنّ تؤمن باللّٰہ والیوم الآخر فلا ترفع رأسھا حتی یرفع الرّجال رؤوسھم ، کراھیة أن یرین من عورات الرّجال .**

''سیدہ اسماء بنتِ ابی بکر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ (اے عورتو!) تم میں سے جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتی ہے، وہ مردوں کے (سجدے سے) سر اٹھانے سے پہلے سر نہ اٹھائے ، (ان دنوں صحابہ کرام کے پاس کپڑے بہت تھوڑے تھے اور ان کے ازار چھوٹے ہوتے تھے)، آپ نے یہ بات اس لیے فرمائی کہ کہیں (عورتوں کے پہلے سر اٹھانے کی وجہ سے) مردوں کے ستر پر ان کی نظر نہ پڑ جائے۔'' (صحیح بخاری : ۸۱٤، صحیح مسلم : ٤٤١)

## تِلْکَ عَشَرَۃٌ کَامِلَۃٌ

یہ پوری دس صحیح احادیث کا مجموعہ ہماری دلیل ہے، ان سب کا تعلق صحیحین سے ہے، جن کی صحت پر امت کا اجماع ہے۔

## اس بارے میں چند محدثین کی آراء

۱☆ امیر المومنین فی الحدیث، فقیہِ امت، امام محمد بن اسمٰعیل البخاری رحمہ اللہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ) سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ حدیث پر یوں تبویب فرماتے ہیں:

**باب خروج النّساء الی المساجد باللّیل والغلس .**

''عورتوں کے رات اور اندھیرے میں مسجدوں کی طرف نکلنے کا بیان۔''

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ امامِ بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک عورت خواہ جوان ہو یا بوڑھی اور خواہ دن ہو یا رات مطلق طور پر مسجد میں جاسکتی ہے، کیونکہ جب اندھیرے میں جاسکتی ہے تو دن کی روشنی میں جب کہ اندھیرے کی نسبت کہیں زیادہ امن ہوتا ہے، کیوں نہیں جاسکتی؟

☆۲ امام الائمہ امام ابنِ خزیمہ رحمہ اللہ (۲۲۳۔۳۱۱ھ) ان احادیث پر یوں باب قائم کرتے ہیں:

**باب الاذن للنّساء فی اتیان المساجد .**

''*عورتوں کو مسجدوں میں آنے کی اجازت کا بیان۔*'' (صحیح ابن خزیمہ ، کتاب الصلوۃ ، باب : ١٦٩) **اور**

**باب النّھی عن منع النّساء عن الخروج الی المساجد باللّیل .**

''*رات کے وقت عورتوں کو مسجد جانے سے روکنے کی ممانعت کا بیان۔*'' (باب : ۱۷۱)

☆۳ امام ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی رحمہ اللہ (۱۸۱۔۲۵۵ھ) سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث پر یوں باب قائم فرماتے ہیں:

**باب النّھی عن منع النّساء عن المساجد ، و کیف یخرجن اذا خرجن .**

''عورتوں کو مسجدوں سے روکنے کی ممانعت کا بیان ، نیز (اس بات کی وضاحت کہ) وہ جب نکلیں تو کیسے نکلیں۔'' (مسند الدارمی : ١٣١٤)

ایک مقام پر تو امام موصوف کی تبویب نہایت قابلِ توجہ ہے:

**باب تعجیل العقوبة من بلغه عن النّبی صلّی اللّٰه علیه وسلّم حدیث فلم یعظّمه ولم یوقّره .**

''جو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پہنچنے کے بعد اس کو تسلیم نہیں کرتا ، اسے جلد از جلد سزا دینی چاہیے۔'' (مسند الدارمی : ٤٥٦)

اس باب میں انہوں نے صحابہ کرام کے واقعات سے ثابت کیا ہے کہ جب ان کے حدیث بیان کر دینے کے بعد کسی نے ان کے سامنے اس کی مخالفت کی تو انہوں نے اس سے ترکِ تعلق کر لیا تھا، سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما والی حدیث بھی اسی باب میں ذکر کرتے ہوئے انہوں نے یہ بتایا ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بعد عورتوں کو مسجدوں سے روکنے والا دین کا خیر خواہ نہیں بلکہ الٹا سنتِ نبوی کا مخالف ہے۔

☆۴ امام ابنِ حبان رحمہ اللہ (م ۳۵۴ھ) کی تبویب ملاحظہ ہو:

**ذکر الزّجر عن منع النّساء عن اتیان المساجد للصّلاة .**

''نماز کے لیے مسجد میں آنے والی عورتوں سے منع کرنے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈانٹ کا بیان۔''

(صحیح ابن حبان : ٥/٥٧٨، ح : ٢٢٠٩)

☆۵ حافظ ابنِ حزم رحمہ اللہ (م ۴۵۶ھ) رقمطراز ہیں:

وقد اتّفق أهل الأرض أنّ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم لم يمنع النّساء قطّ الصّلاة معه فى مسجده الى أن مات عليه السّلام ولا الخلفاء الرّاشدون بعده ، فصحّ أنّه عمل غير منسوخ ، فاذ لا شكّ فى هذا ، فهو عمل برّ ، ولولا ذالک ما أقرّه عليه السّلام ، ولا تركهنّ يتكلّفنه بلا منفعة بل بمضرّة ، وهذا العسر والأذى ، لا النّصيحة .

''اس بات پر تمام لوگوں کو اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات تک عورتوں کو مسجد میں آنے سے کبھی نہیں روکا ، نہ ہی خلفائے راشدین نے آپ کے بعد یہ کام کیا ، اس سے ثابت ہو گیا کہ یہ عمل منسوخ نہیں ہوا ، جب اس کا غیر منسوخ ہونا یقینی ہے تو یہ نیکی کا کام ہوا ، اگر ایسا نہ ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے برقرار نہ رکھتے اور ان عورتوں کو بے فائدہ بلکہ نقصان دہ تکلیف میں مبتلا نہ چھوڑتے ، ایسا کرنا تنگی و تکلیف تو ہو سکتا ہے ، خیر خواہی نہیں ( حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو سب سے بڑے خیر خواہ تھے )۔''

(المحلی لابن حزم : ۸۳/۳، مسئلہ : ۳۲۱)

## مانعین کے دلائل کا جائزہ

جیسا کہ آپ حافظ ابنِ حزم رحمہ اللہ کی زبانی فیصلہ کن بات سن چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے عورتوں کو کبھی بھی مسجدوں میں آنے سے روکا نہیں ، بات واضح ہے کہ یہ عمل منسوخ نہیں ہوا اور جب ایسا ہے کہ تو روکنا جائز کیسے ہوا؟ آپ خود اندازہ فرمائیں کہ ایک عمل رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے بعد میں ہوتا رہا تو اب اس کی منسوخیت یا منع کے دلائل کتنی قوت کے حامل ہوں گے۔

آیئے ان دلائل کا جائزہ لیں:

### دلیل نمبر ۱ :

عن عائشة رضى اللّٰه عنها قالت : لو أدرک النّبى صلّى اللّٰه عليه وسلّم ما أحدث النّساء لمنعهنّ المسجد كما منعت نساء بنى اسرائيل .

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے ، انہوں نے فرمایا ، اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ( عورتوں کی اس خرابی کو دیکھ لیتے ) جو انہوں نے اب پیدا کر دی ہے تو آپ ان کو مسجد میں آنے سے روک دیتے ، جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو روکا گیا تھا۔'' (صحیح بخاری : ۸۳۱، صحیح مسلم : ٤٤٥)

## تبصرہ :

۱ ☆ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقصود عورتوں کو تنبیہ کرنا تھا، ان کو روکنا مقصود نہ تھا، کیونکہ اگر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا عورتوں کا مسجد میں جانا جائز نہ سمجھتیں تو ضرور ان کو روکتیں، حالانکہ ان سے ایک مرتبہ بھی ایسا کرنا ثابت نہیں، اس کے برعکس آپ خود نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی مسجد میں جاتی رہیں، بلکہ مسجد میں اعتکاف بھی بیٹھتی رہیں۔

لہٰذا آج عورتوں کو اس حدیث کو دلیل بنا کر مسجدوں سے روکنے والے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی مخالفت کر رہے ہیں اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھی۔

۲ ☆ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بقول اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسی خرابیاں دیکھ لیتے تو عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے روک دیتے، اگر آپ منع فرما دیتے تو ہم بھی عورتوں کو مسجد سے روکتے، جب آپ نے نہیں روکا، حالانکہ حکیم وخبیر اللہ جو آپ کی زبانِ نبوت سے دین نکلوا رہا تھا، وہ تو جانتا تھا کہ بعد میں کیا کیا خرابیاں پیدا ہوں گی، اب ہم روکنے والے کون ہوتے ہیں، پھر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا اس بارے میں موقف آپ سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کے مذکورہ واقعہ سے لگا چکے ہیں۔

۳ ☆ زنا سے بڑی خرابی (عورت کے حوالے سے) اور کیا ہو سکتی ہے؟ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں زنا کی وجہ سے رجم کی حد بھی قائم کی گئی، لیکن عورتوں کو مسجد میں آنے سے نہ روکا گیا تو آج کس ''بڑی خرابی'' کو مدنظر رکھ کر عورتوں کو روکا جاتا ہے؟

۴ ☆ اس قسم کی خرابی تمام عورتوں میں نہیں پائی جاتی، بلکہ کچھ عورتوں میں ہوتی ہے، لہٰذا ان قلیل عورتوں کی وجہ سے دوسری تمام نیک عورتوں کو نیکی سے کیونکر روکا جائے؟

۵ ☆ اگر ان خرابیوں کی وجہ سے عورت کا مسجد میں جانا منع ہو سکتا ہے تو بازار میں جانا بالاولیٰ حرام ہونا چاہیے، اسی طرح کسی بھی غرض کے لیے گھر سے باہر نکلنا ممنوع ہونا چاہیے، لیکن اس کا کوئی بھی قائل نہیں، آج عورتوں کو بازاروں سے تو منع نہیں کیا جاتا، جبکہ مسجد میں جانے پر پابندی ہے، حالانکہ مسجدیں امن کا مرکز ہوتی ہیں، نیز نمازی لوگ اکثر نیک ہوتے ہیں، اب بتائیں کہ بازاری لوگ زیادہ خطرے کا باعث ہیں یا وہ نمازی لوگ جن سے اکثر بازاری عورتیں بھی شرما کر پردہ کر لیتی ہیں۔

۶ ☆ بوڑھی اور جوان عورتوں کی تفریق، نیز دن اور رات کی تخصیص اس روایت سے قطعاً ثابت نہیں

ہوتی۔

جولوگ کہتے ہیں: **ویکرہ لهنّ حضور الجماعات یعنی الشّوابّ منهنّ لما فیه من خوف الفتنة ولا بأس للعجوز أن تخرج فی الفجر والمغرب والعشاء .**

''جوان عورتوں کے لیے جماعت میں شامل ہونا مکروہ ہے، کیونکہ فتنہ کا ڈر ہے، البتہ بوڑھی عورتوں کے فجر، مغرب اور عشاء میں شامل ہونے میں کوئی حرج نہیں۔'' (الهدایة مع الدرایة : ١ /١٢٨)

وہ اس روایت کو کس منہ سے پیش کرتے ہیں؟

## دلیل نمبر ۲ :

**عن أمّ حمید امرأ ة أبی حمید السّاعدی رضی اللّٰه عنها انّها جاء ت الی النّبی صلّی اللّٰه علیه وسلّم ، فقالت : یا رسول اللّٰه ! انّی أحب الصّلاة معک ، فقال : قد علمت أنّک تحبّین الصّلاة معی ، وصلاتک فی بیتک خیر من صلاتک فی حجرتک وصلاتک فی حجرتک خیر من صلاتک دارک وصلاتک خیر من صلاتک فی مسجد قومک وصلاتک فی مسجد قومک خیر من صلاتک فی مسجد قومک خیر من صلاتک فی مسجدی ، قال : فأمرت ، فبنی لها مسجد فی أقصی شیء من بیتها وأظلمه وکانت تصلّی فیه حتی لقیت اللّٰه عزّوجلّ .**

''سیدنا ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ سیدہ ام حمید بیان کرتی ہیں کہ وہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی، اے اللہ کے رسول! میں آپ کے ساتھ نماز پڑھنا پسند کرتی ہوں، آپ نے فرمایا، میں جانتا ہوں کہ آپ میرے ساتھ نماز پڑھنا پسند کرتی ہیں، آپکی کوٹھڑی میں نماز آپکی صحن میں نماز سے بہتر ہے اور آپکی صحن میں نماز آپکی گھر کے احاطے میں نماز سے بہتر ہے اور آپکی احاطہ میں نماز، قوم کی مسجد میں نماز سے بہتر ہے اور آپکی اپنی قوم کی مسجد میں نماز میری مسجد میں نماز سے بہتر ہے، راوی کہتے ہیں کہ ام حمید رضی اللہ عنہا نے حکم دیا تو ان کے گھر کے اندرونی اور تاریک حصہ میں (ایک جگہ مختص کر کے) مسجد بنادی گئی، پھر وہ تادم وفات اسی جگہ میں نماز پڑھتی رہیں۔'' (مسند الامام احمد : ٦ /٣٧١، وسندہٗ صحیح)

اس حدیث کو امام ابنِ خزیمہ (١٦٨٩) اور امام ابنِ حبان (٢٢١٧) رحمہما اللہ نے ''صحیح'' کہا ہے۔

## تبصرہ :

اس حدیث پر امام الائمہ ابنِ خزیمہ رحمہ اللہ کی تبویب ملاحظہ ہو:

**باب اختیار صلاة المرأة فی حجرتها علی صلاتها فی دارها وصلاتها فی مسجد قومها علی صلاتها فی مسجد النّبی صلّی اللّٰہ علیه وسلّم وان کانت صلاة فی مسجد النّبی صلّی اللّٰہ علیه وسلّم تعدل ألف صلاة فی غیرها من المساجد ، والدّلیل علی أنّ قول النّبی صلّی اللّٰہ علیه وسلّم صلاة فی مسجدی هذا أفضل من ألف صلاة فیما سواه من المساجد ، أراد به صلاة الرّجال دون صلاة النّساء .**

''عورت کی گھر میں نماز صحن میں نماز سے بہتر ہے اور اس کی اپنی قوم کی مسجد میں نماز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں نماز سے افضل ہے، اگرچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد کی ہزار نمازوں سے افضل ہے، اس سے مراد مرد ہیں، عورتیں نہیں۔'' (صحیح ابن خزیمة : ۱۷۷)

یہی بات تو ہم کہتے ہیں کہ عورت کی نماز گھر میں افضل ہے، لیکن اگر وہ مسجد میں جا کر ادا کرے تو جائز ہے، اس کو مسجد سے روکنا حرام ہے، ہم نے کب اس کا مسجد میں جانا افضل یا ضروری قرار دیا ہے؟

عورت کے مسجد جانے کی ممانعت اور اس ضمن میں بوڑھی اور جوان عورت کے فرق پر ایک صحیح و صریح دلیل مطلوب ہے۔

## دلیل نمبر ۳ :

**عن ابن مسعود رضی اللّٰہ عنه قال : ما صلّت المرأة فی مکان خیر لها من بیتها الّا أن تکون المسجد الحرام أو مسجد النّبی صلّی اللّٰہ علیه وسلّم الّا امرأة تخرج فی منقلیها یعنی خفّیها .**

''سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا، عورت کے لیے نماز کی کوئی بھی جگہ بھی اپنے گھر سے بہتر نہیں، ہاں! اگر مسجدِ حرام یا مسجدِ نبوی ہو اور عورت موزے پہن کر نکلے (تو بہتر ہے)۔''

(المعجم الکبیر للطبرانی : ۹۴۸۳)

علامہ ہیثمی (مجمع الزوائد: ۲/۳۴) نے اس کے راویوں کے بارے میں **رجاله رجال الصّحیح .** (اس کے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں) کہا ہے۔

## تبصرہ :

۱☆ حماد بن سلمہ آخری عمر میں ''اختلاط'' کا شکار ہو گئے تھے، ان کے شاگرد حجاج بن منہال کا ان سے اختلاط سے پہلے سماع ہمیں نہیں مل سکا۔

۲☆ اس روایت میں سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے عورت کی گھر میں نماز کو بہتر و افضل قرار دیا ہے، جس کے ہم بھی قائل ہیں، مسجد میں عورتوں کے جانے کی ممانعت پر دلیل مطلوب ہے، مزید وضاحت اگلی روایت کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

## دلیل نمبر ٤ :

**عن أبی عمرو الشیبانی قال : رأیت ابن مسعود یطرد النّساء من المسجد یوم الجمعة .**

''ابو عمرو شیبانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کو دیکھا، آپ جمعہ کے دن عورتوں کو مسجد سے بھگا رہے تھے۔'' (المعجم الکبیر للطبرانی : ۹۴۷۵، وسندہٗ صحیح)

## تبصرہ :

۱☆ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ تک نہیں پہنچی، ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو مسجد سے روکنے سے منع بھی فرمایا ہو، لیکن اس کے باوجود سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ عورتوں کو بھگاتے ہوں؟ کسی مسلمان کا ایمان ایسا سوچنے کی اجازت نہیں دیتا۔

۲☆ سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما جنہوں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عورتوں کو مسجدوں سے روکنے کی ممانعت نقل کی ہے، ان کا فتویٰ یہی ہے کہ عورتوں کو مسجد سے روکنا خلافِ سنت ہے، جیسا کہ ہم اپنے دلائل میں ثابت کر چکے ہیں، نیز محدثین وائمہ احناف کے نزدیک مسلمہ اصول **راوی الحدیث أدریٰ بما فیہ** (راویٔ حدیث اپنی روایت کے مفہوم کو دوسروں سے بہتر جانتا ہے) کے تحت انہی کی بات راجح ہوگی۔

۳☆ کئی مسائل ایسے ہیں جن کی خبر سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ تک نہ پہنچی اور وہ جمہور صحابہ کے خلاف عمل کرتے رہے، کیا ان مسائل میں بھی آپ سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے قول و فعل کو حجت مانتے ہیں، صرف ایک مثال پیشِ خدمت ہے کہ صحیح مسلم (۵۳۴) میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کا رکوع میں تطبیق کی (دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر رکھا)، بلکہ ساتھ نماز پڑھنے والے دونوں تابعین کے ہاتھوں پر بھی مارا کہ وہ تطبیق کیوں نہیں کر رہے، نیز انہوں نے دو مقتدی پیچھے کھڑے کرنے کی بجائے اپنی دونوں جانب کھڑا کیا۔

اب ان دونوں مسئلوں میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عملِ مبارک ہم تک پہنچ چکا ہے کہ رکوع میں ہاتھ گھٹنوں پر رکھتے ہیں اور تین نمازی ہونے کی صورت میں امام آگے اور دونوں مقتدی پچھلی صف میں کھڑے ہوں گے۔ کیا سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے یہ دونوں تفردات بھی قابلِ عمل ہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو عورتوں کو مسجدوں سے روکنے کے معاملے میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین اور دیگر جمہور صحابہ کرام کے خلاف سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے عمل کو حجت بنانا انصاف کیسے ہے؟

۳☆ اس روایت میں بوڑھی اور جوان عورت، نیز دن اور رات کا خود ساختہ فرق موجود نہیں ہے۔

## دلیل نمبر ۵ :

**عن ابن مسعود رضی اللّٰه عنه قال : کان الرّجال والنّساء فی بنی اسرائیل یصلّون جمیعا ، فکانت المرأة اذا کان لها الخلیل تلبس القالبین ، تطول بهما لخلیلها ، فألقی اللّٰه علیهنّ الحیض ، فکان ابن مسعود یقول : أخّروهنّ حیث أخّرهنّ اللّٰه .**

''سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ بنی اسرائیل کے مرد وعورت اکٹھے نماز پڑھتے تھے، عورت کا جب دوست ہوتا تو وہ لکڑی کا جوتا پہنتی تا کہ لمبی ہو کر اپنے آشنا کو نظر آ جائے، اس پر اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر حیض ڈال دیا، پھر ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ان کو وہاں سے ہٹا دو جہاں سے اللہ ان کو ہٹا دیا۔''

(المعجم الکبیر للطبرانی : ۹۴۸۵)

## تبصرہ :

۱☆ اس روایت کی سند امام عبدالرزاق، امام سفیان ثوری، امام اعمش اور امام ابراہیم نخعی رحمہم اللہ کی ''تدلیس'' کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔

صحیح ابنِ خزیمہ (۱۷۰۰) والی سند بھی امام اعمش کی ''تدلیس'' کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔

۲☆ اگر بنی اسرائیل کی عورتوں کو مسجد سے روک دیا گیا تھا تو ہماری شریعت میں عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت دی گئی ہے، جیسا کہ ہم دلائلِ صحیحہ وصریحہ سے ثابت کر آئے ہیں۔

۳☆ سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ تو اس روایت میں عورتوں کو مطلق طور پر مسجد آنے سے روک رہے ہیں، پھر بوڑھی عورتوں کی تخصیص اور دن رات کا فرق کہاں سے آ گیا۔

## دلیل نمبر ٦ :

عن أمّ سلمة رضی اللّٰه عنها قالت : قال رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم : صلاة المرأة فی بیتها خیر من صلاتها فی حجرتها وصلاتها فی حجرتها خیر من صلاتها فی دارها وصلاتها فی دارها خیر من صلاتها خارج .

''سیدہ امِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عورت کی اپنے گھر میں نماز صحن میں نماز سے بہتر ہے، اس کی اپنے صحن میں نماز اپنے احاطہ میں نماز سے بہتر ہے، اس کی اپنے احاطہ میں نماز باہر نماز سے بہتر ہے۔'' (المعجم الاوسط للطبرانی : ۴۸/۹)

## تبصرہ :

۱☆ اس کی سند ''ضعیف'' ہے، زید بن المہاجر راوی کے حالات نہیں مل سکے، اس کی صحت کے مدعی پر دلیلِ توثیق لازم ہے۔

۲☆ اس روایت میں عورتوں کو مسجدوں سے روکنا قطعاً ثابت نہیں ہوتا۔

۳☆ بوڑھی اور جوان عورت کا فرق، نیز دن اور رات کی تفریق کہاں ہے؟

## دلیل نمبر ۷ :

عن ابن مسعود رضی اللّٰه عنه قال : انّ المرأة عورة وانّها اذا خرجت من بیتها استشرفها الشّیطان ، فتقول : ما رآنی أحد الا أعجبته ، وأقرب ما تکون الی اللّٰه اذا کانت فی قعر بیتها .

''سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عورت پردے کا نام ہے، جب یہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اسے غور سے دیکھتا ہے، وہ کہتی ہے کہ مجھے جو بھی دیکھے گا، اسے پسند آؤں گی، عورت اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہوتی ہے جب وہ اپنے گھر کے اندرونی کمرے میں ہو۔'' (المعجم الکبیر للطبرانی : ۹۴۸۵، وسندہٗ صحیح)

## تبصرہ :

۱☆ اس روایت میں عورت کو مسجد سے روکنے کا کوئی ثبوت نہیں، بلکہ نماز تک کا ذکر نہیں ہے۔

۲☆ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ عورت کو مسجد سے روکنے سے ممانعت والی حدیث سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ تک نہیں پہنچی، پھر ان کی یہ بات دلیل کیسے بن سکتی ہے۔

۳☆ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں بھی تو عورتیں مسجد میں آتی تھیں، اس روایت کے مطابق ان پر کیا حکم لگائیں گے؟

## دلیل نمبر ۸ :

**عن سليمان بن أبي حثمة عن أمّه قالت : رأيت النّساء القواعد يصلّين مع رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم .**

''سلیمان بن ابی حثمہ اپنی والدہ سے بیان کرتے ہیں، وہ کہتی ہیں کہ میں نے بوڑھی عورتوں کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کرتے دیکھا۔'' (المعجم الکبیر للطبرانی : ۳۱۷/۲۴)

## تبصرہ :

۱☆ اس کی سند سخت ''ضعیف'' ہے، ابن ابی لیلیٰ اور عبدالکریم بن ابی المخارق دونوں ''ضعیف'' ہیں۔

۲☆ اس روایت میں عورتوں کو مسجد سے روکنے کا اشارہ تک نہیں، نیز رات کی تخصیص کہاں ہے؟ ظاہر ہے کہ دن کے اجالے میں ہی دیکھا جا سکتا تھا۔

## دلیل نمبر ۹ :

**عن أبي عمرو الشّيباني قال : حلف عبد اللّٰه ، فبالغ في اليمين : ما من مصلّى لامرأة خير من بيتها الّا في حجّ أو عمرة ، الّا في امرأة قد يئست من البعولة ، فهي في منقليها .**

''سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے بہت مبالغہ سے قسم اٹھا کر فرمایا، عورت کے لیے گھر سے بہتر کوئی جائے نماز نہیں، ہاں ! اگر عورت حج یا عمرہ میں ہو یا عورت بوڑھی ہو کر نکاح سے مایوس ہو چکی ہو اور اس نے موزے پہن رکھے ہوں۔'' (المعجم الکبیر للطبرانی : ۹۴۸ ۲)

## تبصرہ :

۱☆ اس روایت سے بھی عورتوں کو مسجد سے روکنے کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔

۲☆ اس کی سند میں محمد بن النضر کے حالات نہیں مل سکے، مسند علی بن الجعد (۲۲۹۰) میں اس کی متابعت شریک بن عبداللہ القاضی نے کی ہے، لیکن یہ روایت شریک کی ''تدلیس'' کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔

نیز اس کی صحت کا دعویٰ اس وقت تک قابلِ التفات نہیں ہو سکتا جب تک سعید بن مسروق کا ابو عمرو الشیبانی سے سماع ثابت نہ ہو جائے۔

## دلیل نمبر ۱۰ :

عن أمّ حكيم بنت أبى حكيم انّها قالت : أدركت القواعد وهنّ يصلّين مع رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم .

''سیدہ ام حکیم بنتِ ابی حکیم رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے بوڑھی عورتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کرتے دیکھا۔''(المعجم الکبیر للطبرانی : ۱۳۰/۲۵)

## تبصرہ :

۱☆ اس روایت کی سند بھی ابن ابی لیلیٰ اور عبدالکریم بن ابی المخارق کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔

۲☆ ان ''ضعیف'' روایات سے بھی رات کی تخصیص ثابت نہیں ہو سکی۔

## دلیل نمبر ۱۱ :

عن أمّ سليم رضى اللّٰه عنها عن رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم أنّه قال : خير مساجد النّساء قعر بيوتهنّ .

''سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عورتوں کے لیے نماز کی بہترین جگہ ان کے گھروں کے اندرونی کمرے ہیں۔''(مسند الامام احمد : ٦ /٢٩٧)

## تبصرہ :

۱☆ اس کی سند سخت ''ضعیف'' ہے، کیونکہ رشدین بن سعد جمہور کے نزدیک سخت ''ضعیف'' اور سائب مولیٰ ام سلمہ مجہول الحال ہے۔

دوسری سند اس سے بھی بدتر ہے، کیونکہ :

۱☆ اس میں ابن لہیعہ ''ضعیف و مختلط'' ہے۔ ۲☆ حسن کا ان سے اختلاط سے پہلے سننا ثابت نہیں۔ ۳☆ سائب مذکور ''مجہول الحال'' ہے۔

## الحاصل :

ثابت ہوا کہ عورتوں کو مسجد جانے سے روکنا درست نہیں اور اس پر کوئی شرعی دلیل دلالت نہیں کرتی۔

اب عورتوں کو مسجدوں سے روکنے والے ہی بتائیں کہ ان کا عمل حدیث کی موافقت ہے یا مخالفت؟؟؟

☆☆............☆☆............☆☆

# قبر پراذان کی شرعی حیثیت

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

دفن کے بعد قبر پر اذان کہنا بدعتِ سیئہ ہے، نہ احادیث میں اس کی کوئی اصل ہے اور نہ صحابہ کرام، تابعینِ عظام، ائمہ دین اور سلف صالحین کے زمانہ ہی میں اس کا کوئی وجود ملتا ہے، بلکہ یہ ہندوستان کی ایجاد ہے، اس کے باوجود ''قبوری فرقہ'' اس کو جائز قرار دیتا ہے، امام بریلویت احمد رضا خاں بریلوی نے اس مسئلہ پر ''ایذان الاجر فی اذان القبر'' کے نام سے ایک رسالہ بھی لکھا ہے، جس میں وہ ''حسن'' یا ''صحیح'' تو در کنار کوئی ''ضعیف'' اور ''موضوع'' (من گھڑت) روایت بھی اس بدعت کے ثبوت میں پیش نہیں کر سکے۔

اگر دفن کے بعد قبر پر اذان کہنا کوئی نیکی کا کام ہوتا یا شریعت کی رو سے میت کو کوئی فائدہ پہنچتا تو صحابہ کرام ضرور اس کا اہتمام کرتے، کیونکہ وہ سب سے بڑھ کر قرآن و سنت کے معانی، مفاہیم و مطالب اور تقاضوں کو سمجھنے والے اور ان کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالنے والے تھے۔

چاروں اماموں سے بھی اس کا جواز یا استحباب منقول نہیں، مزے کی بات تو یہ ہے کہ حنفی مذہب کی تمام معتبر کتابوں میں اس بدعتِ قبیحہ کا نام و نشان تک نہیں ملتا، بلکہ بعض حنفی اماموں نے قبر پر اذان کے عدمِ جواز اور اس کے بدعت ہونے کی صراحت کی ہے۔

۱☆ درالبحار میں ہے: **من البدع التی شاعت فی بلاد الهند الأذان علی القبر بعد الدّفن .**

''ہندوستان میں عام ہونے والی بدعتوں میں سے ایک بدعت دفن کرنے کے بعد اذان کہنا بھی ہے۔''

(منقول از «جاء الحق»: ۳۱۸/۱)

۲☆ حنفی مذہب کے جلیل القدر امام محمود بلخی کہتے ہیں:

**الأذان علی قبر لیس بشیٔ .** ''قبر پر اذان کہنا کچھ نہیں ہے۔'' (منقول از «جاء الحق»: ۳۱۸/۱)

۳☆ ابنِ عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں: **لا یسنّ الأذان عند ادخال المیّت فی قبره ، کما هو المعتاد الآن ، قد صرّح ابن حجر بأنّه بدعة وقال : من ظنّ أنّه سنّة ، فلم یصب .**

''میت کو قبر میں داخل کرتے وقت مروّجہ اذان سنت نہیں، حافظ ابنِ حجر المکی نے اس کے بدعت ہونے

کی صراحت کی ہے اور فرمایا ہے کہ جس نے اسے سنت سمجھا، وہ درستی کو نہیں پہنچا۔''

(شامی : ۲ /۲۳۵، «جاء الحق» : ۱ /۳۱۷۔۳۱۸)

**تنبیہ :** ابنِ عابدین شامی حنفی نے بعض شافعیوں کی کتابوں سے اذان کے مواقع ذکر کیے ہیں، ان میں سے ایک میت کو قبر میں اتارتے وقت کی اذان کا ذکر کیا ہے، ساتھ یہ بھی لکھا ہے:

لکن ردّہ ابن حجر فی شرح العباب . ''لیکن ابنِ حجر (مکی) نے شرح العباب کتاب میں اس کا رد کیا ہے۔''

اس کے جواب میں احمد یار خان نعیمی بریلوی لکھتے ہیں:

''اولاً تو ابنِ حجر (مکی) شافعی ہیں، بہت سے علماء جن میں بعض احناف بھی شامل ہیں، فرماتے ہیں کہ اذانِ قبر سنت ہے اور امام ابنِ حجر شافعی اس کی تردید کرتے ہیں تو بتاؤ کہ حنفیوں کو مسئلہ جمہور پر عمل کرنا ہوگا کہ قولِ شافعی پر۔'' («جاء الحق» : ۳۱۶/۱)

**تبصرہ :** ابنِ عابدین شامی حنفی نے شافعیوں کی کتاب سے میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان کا ذکر کیا ہے نہ کہ قبر پر اذان کا، ساتھ ہی ابنِ حجر مکی کا انکار ورد ذکر کر دیا، اتنی سی بات پر نعیمی بریلوی نالاں نظر آتے ہیں، اگر ابنِ حجر مکی شافعی ہیں تو شافعیوں کی بعض کتابوں سے منقول بدعت کیوں محبوب ہے؟ اس پر سہاگہ یہ کہ اس بدعت کا تعلق قبر پر اذان سے نہیں ہے بلکہ میت کو قبر میں داخل کرتے وقت کی اذان ہے، جس کے بریلوی قائل نہیں، رہا ان کا یہ کہنا کہ ''بہت سے علماء جن میں بعض احناف بھی شامل ہیں، فرماتے ہیں کہ اذانِ قبر سنت ہے اور امام ابنِ حجر (مکی) شافعی اس کی تردید کرتے ہیں۔''

تو ہم کہتے ہیں کہ ''مفتی'' صاحب تو فوت ہو گئے ہیں، کیا ان کے حواری ایک بھی حنفی عالم کا نام بتا سکتے ہیں؟ اگر نہ بتا سکے تو۔۔۔۔۔

## اہل بدعت کے دلائل

**دلیل نمبر ۱ :** اہل بدعت کا عمومی دلائل سے اس کا ثبوت پیش کرنا صحیح نہیں، کیونکہ بدعات یا تو عمومی دلائل کے تحت آتی ہی نہیں یا ان سے مستثنیٰ ہوتی ہیں۔

**دلیل نمبر ۲ :** سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نزل آدم بالهند واستوحش ، فنزل جبريل ، فنادیٰ بالأذان : اللّٰه أكبر ، اللّٰه أكبر ، أشهد أن لا الـه الّا اللّـٰه ، مرّتين ، أشهد أنّ محمّدا رسول اللّٰه ، مرّتين ، قال آدم : من محمّد ؟ قال : آخر ولدک من الأنبياء .

''آدم علیہ السلام (جنت سے) ہندوستان میں اترے اور وحشت زدہ ہو گئے ، پھر جبریل علیہ السلام اترے اوراذان کہی، اللّـٰه أكبـر ، اللّٰه أكبر ، أشهد أن لا اله الّا اللّٰه ، أشهد أن لّا اله الّا اللّٰه ، أشهد أنّ محـمّدا رسول اللّٰه ، أشهد أنّ محمّدا رسول اللّٰه ،تو آدم علیہ السلام نے کہا،محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں؟ جبریل نے کہا،آپ کی اولاد میں سے آخری نبی ہیں۔''

(حلية الأولياء لابی نعيم الاصبهانی : ۵/۱۰۷، تاريخ دمشق لابن عساكر : ۷ /٤۳۷)

**تبصرہ :** ۱☆ یہ روایت''ضعیف''ہے،حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **فيه مجاهيل .**

''اس میں کئی مجہول راوی ہیں۔''(فتح الباری : ۲ /۷۹)

۲☆ اس کے راوی علی بن (یزید بن) بہرام الکوفی کی توثیق نہیں مل سکی۔

۳☆ عمرو بن قیس راوی کا تعین اوراس کی توثیق مطلوب ہے۔

۴☆ اس روایت میں قبر پر اذان کا اشارہ تک نہیں، اہل بدعت خواہ مخواہ اپنی کتابوں میں خام مال لوڈ کرتے رہتے ہیں، یہ روایت ان کی بدعت کو کمزور سہارا بھی نہیں دیتی۔

**دلیل نمبر ۳ :** سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

رآنـی الـنّبی صلّی اللّٰه عليه وسلّم حزينا ، فقال : يا ابن أبی طالب ! انّی أراک حزينا ، فمر بعض أهلک يؤذّن فی أذنک ، فانّه درء الهمّ .

''مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غمگین دیکھا تو فرمایا،اے ابوطالب کے بیٹے! میں آپ کو غمگین دیکھتا ہوں،اپنے کسی گھر والے کو حکم دیں کہ وہ آپ کے کان میں اذان کہے کیونکہ یہ اذان غموں کا مداوا ہے۔''

(مسند الفردوس بحواله «جاء الحق» : ۳۱٤)

**تبصرہ :** یہ روایت بے سند ہونے کی وجہ سے مردود ہے، نیز اس میں قبر پر اذان کا ذکر تک نہیں ہے۔

**دلیل نمبر ٤ :** سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا رأيتم الحريق فكبّروا ، فانّ التّكبير يطفئه .

''جب تم آگ کو دیکھو تو تکبیر کہو، کیونکہ الله اکبر کہنا اس کو بجھا دیتا ہے۔''

(عمل اليوم والليلة لابن السنی : ۲۹۵۔۲۹۸، الدعاء للطبرانی : ۱۲٦٦)

**تبصرہ :** ۱☆ یہ روایت موضوع (من گھڑت) ہے، کیونکہ اس کی سند میں قاسم بن عبداللہ بن عمر راوی ''متروک'' ہے، امام احمد رحمہ اللہ نے اسے جھوٹا کہا ہے۔(تقریب التهذيب : ٥٤٦٨)

امام طبرانی کے ہاں (الدعاء: ۱۲٦٦۔۱۲٦۷) میں اس کی متابعت اس کے بھائی عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عمر نے کر رکھی ہے، وہ بھی ''کذاب'' ہے، حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے اسے بھی ''متروک'' کہا ہے۔

(التقريب : ٣٩٢٢)

اگر کوئی کہے کہ الکامل لابن عدی (۱۴۶۹/۴، وفی نسخۃ: ۱۵۱/۴) اور الدعوات الکبیر للبیہقی (۲۳۸) میں متابعتاً ابنِ لہیعہ کی روایت آتی ہے تو یہ ابنِ لہیعہ (ضعیف عندالجمہور) کی تدلیس ہے، جیسا کہ ابن ابی مریم کہتے ہیں: هـذا الحـديث سمعه ابن لهيعة من زياد بن يونس الحضرمی ، رجل يسمع معنا الحديث،عن القاسم بن عبدالله بن عمر ، وكان ابن لهيعة يستحسنه ، ثمّ انّه قال : انّه يرويه عن عمر و بن شعيب .

''اس حدیث کو ابنِ لہیعہ نے ہمارے ایک ساتھی زیاد بن یونس الحضرمی سے سنا، وہ قاسم بن عبداللہ بن عمر سے بیان کرتے ہیں، ابنِ لہیعہ اسے مستحسن عمل خیال کرتے تھے، پھر انہوں نے کہا، اسے وہ عمرو بن شعیب سے بیان کرتا ہے۔''(الضعفاء الكبير للعقيلی : ۲۹٦/۴)

ثابت ہوا کہ یہ متابعت اس سند کی ہے، جس میں قاسم بن عبداللہ ''کذاب'' راوی موجود ہے۔

**دلیل نمبر ۵ :** سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ دفن ہوئے، ہم نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، آپ نے تسبیح بیان کی، لوگوں نے بھی تادیر آپ کے ساتھ تسبیح بیان کی، پھر آپ نے بڑائی بیان کی، لوگوں نے بھی بڑائی بیان کی، پوچھا، اے اللہ کے رسول! آپ نے تسبیح بیان کیوں کی، فرمایا: لقـد تـضايق على هذا العبد الصّالح قبره ، حتى فرّجه الله عزّ وجلّ عنه . ''اللہ کے اس نیک بندے پر اس کی قبر تنگ ہوگئی تھی، حتی کہ اللہ عزوجل نے اسے فراخ کر دیا۔''(مسند الامام احمد : ۳ /۳٦۰، ح : ۱٤۹۳٤، ۳۷۷، ح : ۱۵۰۹٤)

**تبصرہ :** اس کی سند ''ضعیف'' ہے،اس میں محمود بن عبدالرحمٰن بن عمرو الجموح راوی کی توثیق وعدالت ثابت نہیں،حافظ ہیثمی لکھتے ہیں: قال الحسيني : فيه نظر ، قلت : ولم أجد من ذكره غيره .

''حسینی نے کہا ہے کہ اس میں ''نظر'' ہے، میں کہتا ہوں کہ میں نے نہیں دیکھا کہ ان کے علاوہ کسی اور نے اسے ذکر کیا ہو۔'' (مجمع الزوائد : ٤٦/٣)

**دلیل نمبر ٦ :** سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

**اذا نودی للصّلاة أدبر الشّيطان له ضراط حتى لا يسمع التّاذين .**

''جب نماز کے لیے اذان کہی جاتی ہے تو شیطان گوز مارتا ہوا پیٹھ پھیر کر بھاگتا ہے تاکہ وہ اذان نہ سنے۔'' (صحيح بخاری : ٦٠٨، صحيح مسلم : ٣٨٩)

**تبصرہ :** یہاں مطلق اذان کا ذکر نہیں، بلکہ نماز کے لیے اذان کا ذکر ہے،لہٰذا اس سے قبر پر اذان کا جواز ثابت کرنا ناعاقبت اندیشی ہے، کیونکہ شریعتِ مطہرہ میں قبر پر اذان کا ثبوت نہیں، نہ ہی صحابہ کرام کی زندگیوں میں اس کا ثبوت ملتا ہے،لہٰذا اس کے بدعتِ قبیحہ اور ایجادِ دین ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

**دلیل نمبر ۷ :** قبر پر اذان کو تلقین پر قیاس کیا گیا ہے، قبر پر تلقین شیعوں کا شعار ہے، جسے بریلویوں اور دیوبندیوں نے اپنا دین بنالیا ہے، جبکہ دفن کے بعد میت کو قبر پر تلقین کرنا دلائل شرعیہ سے ثابت نہیں، بلکہ بدعت ہے، ایک بدعت پر بدعت پر قیاس کرنا کیونکر صحیح ہوگا۔

قارئین کرام! ان دلائل کو بار بار پڑھیں، پھر ''مفتی'' احمد یار خان نعیمی صاحب کی اس بات پر بھی غور کریں کہ ''مسلمان میت کو قبر میں دفن کر کے اذان دینا اہل سنت کے نزدیک جائز ہے جس کے بہت سے دلائل ہیں۔'' («جاء الحق» : ٣١٠/١) پھر انصاف سے فیصلہ کریں کہ ''مفتی'' صاحب اپنے دعویٰ میں کتنے سچے ہیں؟ نیز لکھتے ہیں: ''قبر پر بعد دفن اذان دینا جائز ہے، احادیث اور فقہی عبارات سے اس کا ثبوت ہے۔'' («جاء الحق» : ٣١١/١)

ہمیں بھی بتایا جائے کہ وہ احادیث اور فقہی عبارات کہاں ہیں؟ ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ حنفی مذہب بلکہ مذاہبِ اربعہ میں اس کا نام ونشان تک نہیں ہے، مدعی پر دلیل لازم ہے، ہندوستانی بدعت کو ''اہل سنت کے نزدیک جائز'' قرار دینا انصاف نہیں، ان کو معلوم نہیں کہ یومِ حساب آنے والا ہے، اللہ تعالیٰ پوچھ لے گا؟

☆☆............☆☆............☆☆

# کیا نمازِ جنازہ میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کیا جائے گا؟

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

نمازِ جنازہ کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرنا نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

**دلیل نمبر ۱ :** قال الامام الدّارقطنی : قال أحمد بن محمّد بن الجراح وابن مخلد قالا : ثنا (عمر) ابن شبة قال : حدّثنا یزید بن هارون (قال : ) أخبرنا یحیی بن سعید عن نافع عن ابن عمر انّ النّبی صلّی اللّٰه علیه وسلّم کان اذا صلّی علی جنازة رفع یدیه فی کلّ تکبیرة واذا انصرف سلّم .

''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نمازِ جنازہ پڑھتے تو ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے اور جب پھرتے تو سلام پھیرتے۔''

(العلل للدارقطنی : ۲۲/۳، ح : ۲۹۰۸، وسندہٗ صحیح)

**دلیل نمبر ۲ :** نافع سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

کان یرفع یدیه فی کلّ تکبیرة علی جنازة .

''آپ جنازے میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے تھے۔''

(مصنف ابن ابی شیبة : ۲۹۵/۳، وسندہٗ صحیح)

**دلیل نمبر ۳ :** خالد بن ابی بکر کہتے ہیں:

رأیت سالما کبّر علی جنازة أربعا ، یرفع یدیه عند کلّ تکبیرة .

''میں نے سالم بن عبداللہ بن عمر کو دیکھا کہ انہوں نے جنازے پر چار تکبیریں کہیں، ہر تکبیر کے وقت آپ رفع الیدین کر رہے تھے۔'' (مصنف ابن ابی شیبة : ۲۹۵/۳، وسندہٗ صحیح)

**دلیل نمبر ٤ :** عبداللہ بن عون کہتے ہیں:

کان محمّد یرفع یدیه فی الصّلاة ، واذا رکع ، واذا رفع ، وکان یفعل ذالک مع کلّ تکبیرة علی الجنازة .

''امام محمد بن سیرین تابعی رحمہ اللہ نماز (کے شروع) میں اور رکوع کرتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے

وقت رفع الیدین کرتے تھے، آپ نمازِ جنازہ میں ہر تکبیر کے ساتھ اس طرح (رفع الیدین) کرتے تھے۔"

(مصنف ابن ابی شیبۃ : ۲۹۵/۳، وسندہٗ صحیح)

**دلیل نمبر ۵ :** عمر بن ابی زائدہ کہتے ہیں:

**صلّیت خلف قیس بن أبی حازم علی جنازۃ ، فکبّر أربعا ، یرفع یدیه فی کلّ تکبیرۃ .**

"میں نے قیس بن ابی حازم تابعی رحمہ اللہ کی اقتداء میں ایک نمازِ جنازہ ادا کی، انہوں نے چار تکبیریں کہیں، ہر تکبیر میں رفع الیدین کر رہے تھے۔" (مصنف ابن ابی شیبۃ : ۲۹۵/۳، وسندہٗ حسن)

**دلیل نمبر ٦ :** امام ابنِ جریج رحمہ اللہ امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

**یرفع یدیه فی کلّ تکبیرۃ ، ومن خلفه یرفعون أیدیهم .**

"آپ ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے اور جو لوگ ان کے پیچھے ہوتے وہ بھی رفع الیدین کرتے تھے۔" (مصنف ابن ابی شیبۃ : ۲۹۵/۳، وسندہٗ صحیح)

**دلیل نمبر ۷ :** امام معمر بن راشد رحمہ اللہ امام زہری رحمہ اللہ کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

**انّه کان یرفع یدیه مع کلّ تکبیرۃ علی الجنازۃ .**

"آپ جنازہ میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے تھے۔"

(جزء رفع الیدین للبخاری : ۱۱۸، وسندہٗ صحیح)

امام عبدالرزاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وبه نأخذ .** "ہم (محدثین) اسی پر عمل کرتے ہیں۔"

(مصنف عبدالرزاق : ٤٦٩/۳)

**دلیل نمبر ۸ :** عبداللہ بن العلاء رحمہ اللہ کہتے ہیں:

**رأیت مکحولا صلّی علی جنازۃ ، فکبّر علیها أربعا ویرفع یدیه مع کلّ تکبیرۃ .**

"میں نے امام مکحول تابعی رحمہ اللہ کو ایک جنازے پر چار تکبیریں کہتے اور ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے دیکھا۔" (جزء رفع الیدین للبخاری : ح ۱۱٦، سندہٗ حسن)

**دلیل نمبر ۹ :** اشعث بن عبدالملک الحمرانی کہتے ہیں: **کان الحسن یرفع یدیه فی کلّ تکبیرۃ علی الجنازۃ .** "امام حسن بصری رحمہ اللہ نمازِ جنازہ کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین فرماتے تھے۔"

(جزء رفع الیدین للبخاری : ح ۱۲۲، وسندہٗ صحیحٌ)

**دلیل نمبر ۱۰ :** ابوالغصن کہتے ہیں: رأیت نافع بن جبیر یرفع یدیه مع کلّ تکبیرة علی الجنازة . ''میں نے نافع بن جبیر رحمہ اللہ کو جنازے میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے دیکھا۔''

(جزء رفع الیدین للبخاری : ح ۱۱۴، سندہٗ حسن)

امام عبداللہ بن مبارک (جامع ترمذی، تحت حدیث: ۱۰۷۷)، امام شافعی (الام: ۲۷۱/۱)، امام احمد بن حنبل (سیرۃ الامام احمد بن حنبل لابی الفضل صالح بن احمد: ص۴۰) اور امام اسحاق بن راہویہ (جامع ترمذی، تحت حدیث: ۱۰۷۷) رحمہم اللہ بھی نمازِ جنازہ میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرنے کے قائل ہیں۔

**فائدہ :** امام مالک رحمہ اللہ سے صرف پہلی تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرنا ثابت نہیں ہے، کیونکہ ''المدونة الکبریٰ'' بے سند کتاب ہے، اس میں مذکور باتیں امام مالک رحمہ اللہ سے ثابت نہیں ہیں۔

## مانعین کے دلائل

اب ہم انتہائی اختصار کے ساتھ بعض الناس کے دلائل کا جائزہ پیش کرتے ہیں جو صرف پہلی تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کے قائل ہیں:

**دلیل نمبر ۱ :** سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

**انّ رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم کبّر علی جنازة ، فرفع یدیه فی أوّل تکبیرة ووضع الیمنی علی الیسری .**

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ جنازہ پر تکبیر کہی، صرف پہلی تکبیر میں رفع الیدین کیا اور دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا۔'' (جامع ترمذی: ۱۰۷۷، سنن الدارقطنی: ۲ /۷٤، ح: ۱۸۱۳)

**تبصرہ :** اس روایت کی سند ''ضعیف'' ہے، امام دارقطنی رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں:

**والحدیث غیر ثابت .** ''یہ حدیث ثابت نہیں۔'' (العلل للدارقطنی: ۱۵۱/۸)

حافظ نووی رحمہ اللہ نے بھی اس کی سند کو ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔ (خلاصۃ الاحکام: ۲ /۹۸٤)

☆ اس کے راوی یحییٰ بن یعلیٰ الاسلمی کے بارے میں حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

**ضعیف شیعی .** ''ضعیف اور شیعہ راوی ہے۔'' (تقریب التھذیب: ۷٦۷۷)

☆☆ اس کا استاذ ابوفروہ یزید بن سنان الرہاوی بھی جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔

اس کے بارے میں امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ ''متروک'' ہے۔(سوالات البرقانی : ٥٦٠)

نیز لکھتے ہیں کہ یہ ''ضعیف'' ہے۔(سنن الدارقطنی : ١/ ١٧٢، تحت حدیث : ٦٣٧)

اسے امام علی بن المدینی رحمہ اللہ نے بھی ''ضعیف الحدیث'' کہا ہے۔(الجرح والتعدیل : ٩/٢٦٦)

امام ابوزرعہ الرازی رحمہ اللہ نے اس کو ''لیس بقوی الحدیث'' کہا ہے۔(الجرح والتعدیل : ٩/٢٦٧)

امام ابوحاتم الرازی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

**محلّه الصدق و الغالب عليه الغفلة ، يكتب حديثه ، ولا يحتجّ به**

''اس کا محل صدق والا ہے، لیکن اس پر غفلت غالب تھی، اس کی حدیث لکھی جائے گی، لیکن اس سے حجت نہیں لی جائے گی۔''(الجرح والتعدیل : ٩/٢٦٧)

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **ليس حديثه بشيء .** ''اس کی حدیث کچھ نہیں۔''

(التاریخ الکبیر لابن ابی خیثمة : ٩٢٤١، وسندہٗ صحیح)

امام نسائی رحمہ اللہ نے ''ضعیف ومتروک الحدیث'' کہا ہے اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے بھی ''ضعیف'' کہا ہے۔ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ بھی اسے ''ضعیف'' لکھتے ہیں۔(تقریب التہذیب : ٧٧٢٧)

حافظ ہیثمی فرماتے ہیں: **والأكثر على تضعيفه .** ''اکثر محدثین نے اس کو ضعیف کہا ہے۔''

(مجمع الزوائد : ٤/ ٢١٨)

☆☆☆ اس میں امام زہری کی ''تدلیس'' بھی ہے۔

بطورِ فائدہ عرض ہے کہ اس روایت میں دوسری تکبیرات کے ساتھ رفع الیدین کرنے کی نفی ثابت نہیں۔

**دلیل نمبر ٢ :** سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

**انّ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم كان يرفع يديه على الجنازة فى أوّل تكبيرة ، ثمّ لا يعود.**

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنازے پر پہلی تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے تھے، پھر دوبارہ نہ کرتے تھے۔''(سنن الدارقطنی : ٢/ ٧٤، ح : ١٨١٤)

**تبصرہ :** اس کی سند سخت ترین ''ضعیف'' ہے، حافظ نووی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ''ضعیف'' کہا ہے۔

(خلاصة الاحکام : ٢/ ٩٨٤)

☆١ اس کا راوی حجاج بن نصیر البصری جمہور محدثین کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔

اس کے بارے میں خود امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **أجمعوا علیٰ ترکه .**
''اس کے ترک پر محدثین کا اجماع ہو گیا ہے۔'' (الضعفاء والمتروکون : ١٧٤)
نیز فرماتے ہیں: **ضعیف .** ''ضعیف ہے۔'' (سنن الدارقطنی : ١/ ١٥٧)

امام ابوحاتم الرازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **منکر الحدیث ، ضعیف الحدیث ، ترک حدیثه ، کان النّاس لا یحدّثون عنه .** ''یہ منکر الحدیث، ضعیف الحدیث ہے، اس کی حدیث کو ترک کر دیا گیا تھا، لوگ اس سے حدیث بیان ہی نہیں کرتے تھے۔'' (الجرح والتعدیل : ٣/ ١٦٧)

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **سکتوا عنه .** ''محدثین نے اس کی روایات کو نا قابلِ التفات سمجھا ہے۔'' (الکامل لابن عدی : ٢/ ٢٣١، وسندہٗ صحیح) امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے ''ضعیف'' کہا ہے۔ (الکامل لابن عدی : ٢/ ٢٣٧، وسندہٗ صحیح) امام نسائی رحمہ اللہ بھی ''ضعیف'' قرار دیتے ہیں۔

امام علی بن المدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **ذهب حدیثه .** ''اس کی حدیث ضعیف ہو گئی ہے۔'' (الجرح والتعدیل : ٣/ ١٦٧) حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: **ضعیف ، کان یقبل التّلقین .** ''ضعیف ہے، تلقین قبول کرتا تھا۔'' (تقریب التهذیب : ١٣٥٩)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **ضعیف ، وبعضهم ترکه .** ''ضعیف ہے، بعض نے اسے متروک کہا ہے۔'' (المغنی فی الضعفاء : ١/ ٢٣٧) حافظ ہیثمی لکھتے ہیں: **وقد ضعّفه الجمهور .** ''اسے جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔'' (مجمع الزوائد : ٨/ ١٢١)

لہٰذا محدث البانی رحمہ اللہ کا ''احکام الجنائز'' (١٤٧) میں اسے ''ثقہ'' قرار دینا بہت بڑی خطاء ہے۔

٢☆ اس کا راوی الفضل بن السکن ''مجہول'' ہے، امام عقیلی رحمہ اللہ نے اسے ''مجہول'' کہا ہے۔ (الضعفاء الکبیر للعقیلی : ٣/ ٤٤٩) حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **لا یدریٰ من ذا .** ''معلوم نہیں کون ہے۔'' (المغنی : ٢/ ١٩١) نیز فرماتے ہیں: **لا یعرف .** ''معروف نہیں ہے۔'' (میزان الاعتدال : ٣/ ٣٥٢)

**تنبیه :** محدث البانی رحمہ اللہ نے ایک حیران کن بات کی ہے، لکھتے ہیں:
**وسکت عنه ابن ترکمانی فی الجوهر النّقی (٤/ ٤٤) .**
''ابنِ ترکمانی حنفی نے اس حدیث پر سکوت اختیار کیا ہے۔'' (احکام الجنائز : ١٤٧)
نہ معلوم علامہ البانی رحمہ اللہ کو یہاں کیا ہو گیا ہے، ابنِ ترکمانی متعصب تھے، ان کا سکوت مچھر کے پر

کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتا، فنِ حدیث میں ثقہ ائمہ و محدثین کے بات مانی جاتی ہے، بعض الناس کا کسی حدیث پر حکم لگانا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔

**دلیل نمبر ۳ :** قال الامام ابن أبی شیبة : حدّثنا ابن فضیل عن عطاء عن سعید بن جبیر عن ابن عبّاس قال: ترفع الأیدی فی سبعة مواطن : اذا قام الی الصّلاة ، واذا رأی البیت ، وعلی الصّفا والمروة ، وفی عرفات ، وفی جمع وعند الجمار .

''سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سات مقامات پر رفع الیدین کیا جاتا ہے: جب نماز کے لیے کھڑا ہو، جب بیت اللہ کو دیکھے، کوہِ صفا اور کوہِ مروہ پر، عرفات میں، مزدلفہ میں اور جمرات کے پاس۔''

(مصنف ابن ابی شیبة : ۲/۲۳۵۔۲۳۶)

**تبصرہ :** ۱☆ سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ عطاء بن السائب (حسن الحدیث) ''مختلط'' ہیں اور ابنِ فضیل نے ان سے اختلاط کے بعد روایت لی ہے۔

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عطاء بن السائب راوی ''مختلط'' ہیں۔(الجرح والتعدیل : ۳۳٤/٦)

امام احمد بن حنبل، امام ابو حاتم الرازی (الجرح والتعدیل : ۳۳۴/۶) اور امام دارقطنی (العلل : ۱۸٦/٥، ۲۸۸/۸) رحمہم اللہ نے ان کو ''مختلط'' قرار دیا ہے۔

امام ابوحاتم الرازی فرماتے ہیں: وما رویٰ عنه ابن فضیل ، ففیه غلط واضطراب .

''عطاء بن السائب سے جو کچھ ابنِ فضیل نے روایت کیا ہے، اس میں غلطیاں اور اضطراب ہے۔''

(الجرح والتعدیل : ۳۳٤/٦)

یہ جرح مفسر ہے، لہٰذا سند ''ضعیف'' ہے، اس قول میں قنوتِ وتر اور عیدین کے رفع الیدین کا بھی ذکر نہیں ہے، وہ کیوں کیا جاتا ہے؟

۲☆ ابوحمزہ (عمران بن ابی عطاء القصاب ثقہ عند الجمہور) کہتے ہیں:

رأیت ابن عبّاس یرفع یدیه اذا افتتح الصّلاة واذا رکع واذا رفع رأسه من الرّکوع .

''میں نے سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کو نماز شروع کرتے، رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرتے ہوئے دیکھا۔'' (مصنف ابن ابی شیبة : ۲۳۹/۱، وسندهٗ حسن)

اس روایت سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

(ا) سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نماز میں رفع الیدین کے قائل تھے۔

(ب) نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کا رفع الیدین کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ منسوخ نہیں ہے۔

**فائدہ :** یہ روایت مرفوعاً بھی مروی ہے، لیکن اس کی سند بھی ''ضعیف'' ہے، اس میں ابنِ ابی لیلیٰ راوی جمہور محدثین کے نزدیک ''**ضعیف ، سیّئ الحفظ**'' ہے، حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

**ضعیف ، سیّئ الحفظ .** ''ضعیف اور خراب حافظے والا ہے۔'' (التلخیص الحبیر : ۲۲/۳)

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

**محمّد بن عبد الرّحمن بن أبی لیلیٰ سیّء الحفظ ، لا یحتج بّه عند أکثرهم .**

''ابنِ ابی لیلیٰ خراب حافظے والا ہے، اکثر محدثین کے نزدیک قابلِ حجت نہیں۔'' (تحفة الطالب : ۳٤٥)

امام طحاوی حنفی نے اس کو ''**مضطرب الحدیث جداً**'' کہا ہے۔ (مشکل الآثار للطحاوی : ۳/ ۲۲٦)

انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب کہتے ہیں: **فهو ضعیف عندی کما ذهب الیه الجمهور .**

''وہ میرے نزدیک بھی ضعیف ہے، جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے۔'' (فیض الباری : ۱٦۸/۳)

۲☆ اس کی سند میں الحکم بن عتیبہ راوی ''مدلس'' ہے جو کہ ''عن'' سے روایت کر رہا ہے۔ امام عینی حنفی نے بھی اس کو ''مدلس'' کہا ہے۔ (عمدة القاری : ۲۱/ ۲٤۸) نیز دیکھیں اسماء المدلسین للسیوطی : ۹٦)

**دلیل نمبر ٤ :** امام ابراہیم نخعی ہر تکبیر کے ساتھ ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبة : ۲۹٦/۳)

**تبصرہ :** یہ نہ قرآن ہے، نہ حدیث، نہ قولِ صحابہ، نہ ہی قولِ ابی حنیفہ، یہ ایک مجتہد مسلمان کا قول ہے، جو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما اور سلف صالحین کے عمل کے خلاف ہونے کی وجہ سے نا قابلِ التفات ہے، دین نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کا نام ہے نہ کہ ان کے خلاف امتی کے اجتہاد کا۔

**الحاصل :** نمازِ جنازہ میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرنا سنت ہے، لہٰذا سلف صالحین کی طرح ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اس سنت پر عمل کرے۔

☆☆............☆☆............☆☆

# اہل سنت کون؟

حافظ ابو یحییٰ نور پوری

امام ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم رحمہ اللہ (م ۳۲۷ھ) بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد (امام ابو حاتم رحمہ اللہ م ۲۷۷ھ) اور امام ابو زرعہ رحمہ اللہ (م ۲۶۴ھ) سے اصولِ دین (عقائد) میں اہل سنت کے مذہب کے بارے میں دریافت کیا، نیز پوچھا کہ انہوں نے تمام علاقوں کے علمائے کرام کا کیا عقیدہ دیکھا ہے، اس پر ان دونوں نے فرمایا:

''ہم نے حجاز و عراق، مصر و شام اور یمن تمام علاقوں کے علمائے کرام کو دیکھا ہے، (عقیدے میں) ان سب کا مذہب یہ تھا کہ ایمان (دل و زبان) کے قول اور (دل و اعضاء کے) عمل کا نام ہے، ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے، قرآن اللہ کی کلام ہے، کسی اعتبار سے بھی مخلوق نہیں، اچھی و بری دونوں طرح کی تقدیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اس امت میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہتر شخص سیدنا ابو بکر صدیق ہیں، پھر بالترتیب سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں، یہی ہدایت یافتہ خلفائے راشدین ہیں، نیز وہ دس صحابہ جن کا نام لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت کی خوشخبری دی، وہ اسی گواہی کے مطابق (جنتی) ہی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان حق ہے، (اہل سنت کا عقیدہ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کے لیے رحمت کی دعا کرنا اور ان کے درمیان ہونے والے اختلافات سے اپنی زباں بندی کرنا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر (بلند) اور اپنی مخلوق سے جدا ہے، جس طرح کہ اس نے اپنی کتاب اور اپنے رسول کی زبان کے ذریعے بغیر کیفیت بیان کیے بتایا ہے، اس نے ہر چیز کا علم کے ذریعے احاطہ کر رکھا ہے، اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے، آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا اور اہل جنت اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے، وہ جب چاہے اور جیسے چاہے کلام فرماتا ہے، جنت و جہنم حق ہیں اور دونوں مخلوق ہیں، کبھی فنا نہ ہوں گی، جنت تو اولیاء اللہ کے لیے جزا ہے، جبکہ جہنم اللہ کے نافرمانوں کے لیے سزا ہے، مگر جس کو وہ اپنی رحمت (سے معاف کر) دے، پل صراط اور وہ میزان بھی حق ہے جس کے دو پلڑے ہوں گے جن میں بندوں کے نیک و بد اعمال تولے جائیں گے، نیز وہ حوض بھی حق ہے جس کے ساتھ ہمارے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نوازے گئے ہیں، شفاعت حق ہے اور یہ بھی حق ہے کہ (موحد) لوگ شفاعت کے ذریعے جہنم سے نکالے جائیں گے، عذابِ قبر، منکر و نکیر، اعمال لکھنے والے معزز فرشتے اور موت کے بعد زندہ کیا جانا سب چیزیں حق ہیں، کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرنے والے اللہ تعالیٰ کی مشیئت میں ہیں (جیسے وہ چاہے ان سے سلوک کرے)، ہم (کبیرہ) گناہوں کی وجہ سے اہل قبلہ کو کافر قرار نہیں دیتے، بلکہ ان کے مخفی اعمال کو اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔'' (كتاب اصل السنة واعتقاد الدين لابن ابى حاتم)

جاری ہے۔۔۔۔